ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

۳ر فروری ۱۹۹۲ء

- علامہ اقبال کے اہم ترین نظریات کی غلط ترجمانی
- ایران کو بھی "امامت" کی بجائے "خلافت" ہی کو اختیار کرنا پڑ
- کیا "خلافت" کی اصطلاح کسی تقدس کی حامل نہیں؟

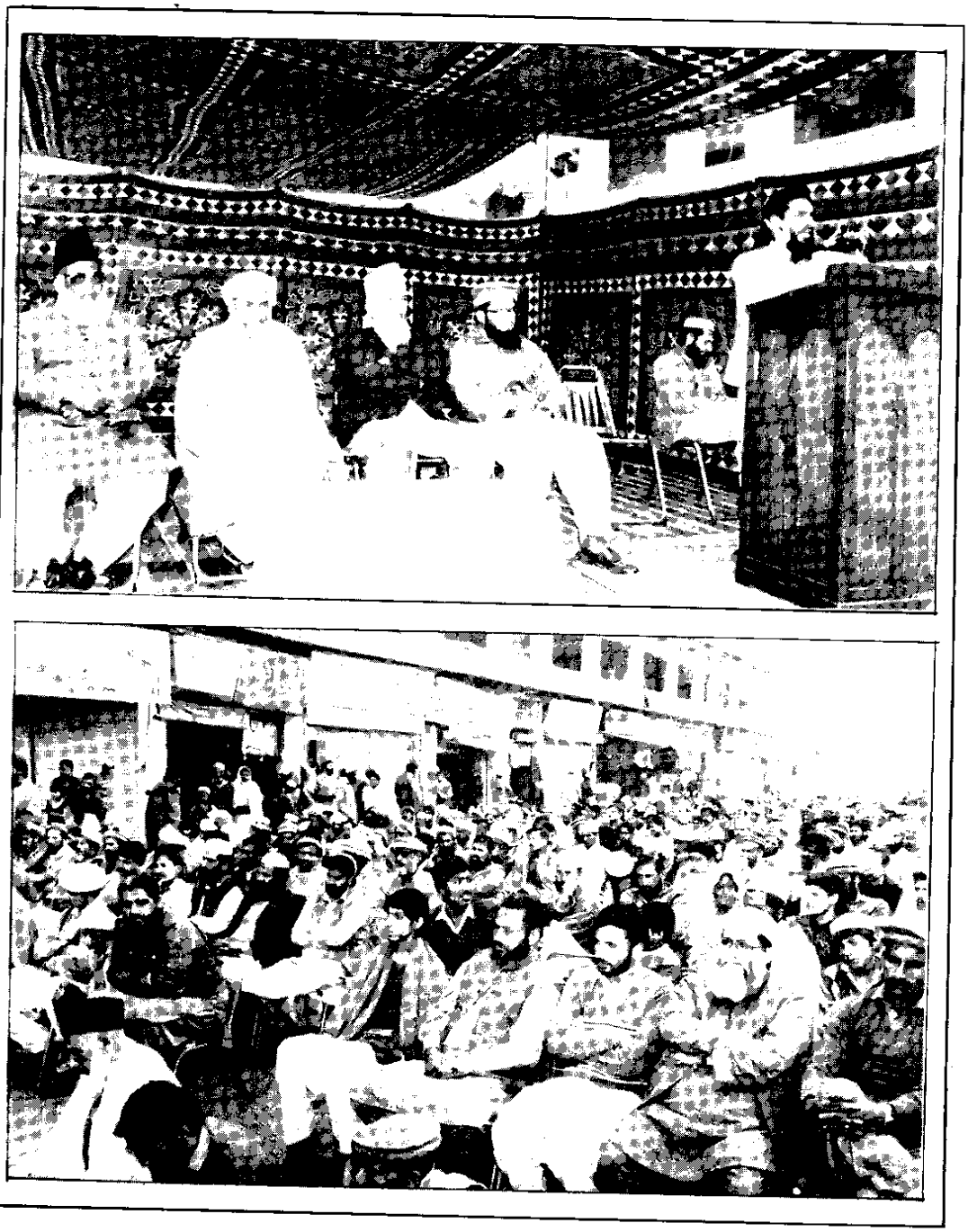

"کہتی ہے ہم کو خلق خدا غائبانہ کیا"

بھارتی مسلمانوں کے ہفت روزہ "نئی دنیا" دہلی کا تجزیہ

پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف کے لئے سیاسی فضا روزبروز ناسازگار ہوتی جا رہی ہے۔ وہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان بری طرح پھنس چکے ہیں اور اب ان کے گلے میں امریکہ کا پھندا کچھ اس طرح پڑ چکا ہے کہ اسے وہ آسانی سے نکال سکنے کی پوزیشن میں بھی نہیں رہ گئے ہیں' چونکہ وہ ایک مخلوط حکومت کے سربراہ ہیں اس لئے آزادی کے ساتھ کوئی بھی فیصلہ کرنا ان کے لئے مشکل ہے' فوج' غلام اسحاق خاں اور بے نظیر بھٹو کے مثلث میں ان کے لئے عافیت کا کوئی گوشہ نہیں ہے۔ فوج پر امریکہ کا غلبہ ہے' صدر غلام اسحاق خاں کو بھی امریکہ کا ہم نوا یا ایجنٹ کہا جاتا ہے اور بے نظیر بھٹو ان سے کوئی مفاہمت اس وقت تک نہیں کر سکتیں جب تک وہ خود کو امریکہ' فوج اور غلام اسحاق خاں سے پوری طرح آزاد کر کے ان کی جانب دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائیں۔ جب کہ نواز شریف کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔

اول تو ان کے اور بے نظیر بھٹو کے درمیان نفرت کی زبردست خلیج حائل ہے وہ اگر اس خلیج کو سیاسی ضروریات کے تحت پاٹنا بھی چاہیں تو جماعت اسلامی انہیں ایسا نہ کرنے دے گی جس کی حمایت سے وہ برسراقتدار آئے ہیں اور اگر جماعت اسلامی پاکستان کو ناراض کر کے وہ بے نظیر بھٹو سے مفاہمت کا عمل شروع کر بھی دیں تو غلام اسحاق خاں ایسا نہ ہونے دیں گے جن کو فوج کی اور فوج کے توسط سے امریکہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ غلام اسحاق خاں نے بے نظیر بھٹو اور ان کے شوہر کو بدعنوانی کے کئی معاملات میں پھانس رکھا ہے۔ وہ ان تمام مقدمات میں ملوث افراد کو سخت سے سخت سزا دلانا چاہتے ہیں۔ گذشتہ دنوں پارلیمنٹ میں بے نظیر بھٹو یہ دھمکی دے چکی ہیں کہ اگر انہیں سزا دی گئی تو ان کے تمام حامی پارلیمنٹ سے مستعفی ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستان میں زبردست سیاسی افراتفری پیدا ہو جائے گی اور اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر فوج اقتدار سنبھال لے گی۔ چونکہ ماضی میں ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہو چکا ہے اس لئے آئندہ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

چونکہ ہمیشہ پاکستان کے فوجی حکمرانوں کی امریکہ نے سرپرستی کی ہے اس لئے نواز شریف کو ہٹانے کے بعد جو بھی فوجی حکمران عنان حکومت سنبھالے گا اسے امریکہ کی بھرپور حمایت حاصل ہو گی۔

وینا حیات کی عصمت دری کے واقعہ کے بعد پورے پاکستان میں جو ہل چل مچی ہے اور سندھ میں آزادی کی تحریک نے جو وحشت ناک شکل اختیار کی ہے اس کے پیش نظر خود پاکستان کے غیر جانبدار مبصروں کا یہ کہنا ہے کہ جمہوریت خطرے میں ہے۔ پاکستان کے ایک کثیرالاشاعت ہفتہ وار اخبار "تکبیر" نے جس کے دفتر پر دو ماہ قبل حملہ کر کے زبردست توڑ پھوڑ اور لوٹ مار کی گئی تھی' اپنے تازہ ترین شمارے میں سندھ "کے تشویشناک" حالات پر ادارتی تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "سندھ کے معاملہ میں اگر وفاقی حکومت نے کچھ نہ کیا تو سندھ ہی وفاقی حکومت کو لے بیٹھے گا۔ دیہی علاقوں میں ڈکیتی اور شہری علاقوں میں دہشت گردی کا دور دورہ ہے اور دہشت گردی کرنے والوں میں سے ایک طبقہ چونکہ حکمران ہے اس لئے اس کی دہشت گردی کے خلاف کوئی مقدمہ بھی درج نہیں ہوتا"۔

ایسا لگتا ہے کہ پاکستان میں مختلف طبقوں کو ایک دوسرے کی گردن پر سوار کرنے میں امریکہ نے پوری طرح کامیابی حاصل کر لی ہے اور اب وہ آخری "حملہ" کی تیاری کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں پاکستان کی مسلح افواج کے سربراہ جنرل آصف نواز جنجوعہ اور پاکستانی فضائیہ کے سربراہ ایئرمارشل فاروق فیروز خاں کا دورہ امریکہ کافی معنی خیز سمجھا جا رہا ہے۔ حالانکہ ظاہر یہ کیا جا رہا ہے کہ ان دونوں فوجی سربراہوں کے دورے کا مقصد امریکہ سے تعلقات کو معمول پر لانا اور امریکی ہتھیاروں کی فراہمی پر لگی ہوئی پابندی کو ختم کرانا ہے مگر سیاسی حلقے سوال کرتے ہیں کہ اس کام کے لئے کیا پاکستانی سفیر کی خدمات نہیں لی جا سکتی تھیں اور کیا فوجی افسران کے ذریعہ کوئی جمہوری ملک کبھی دوسرے ملک سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے؟۔ سیاسی حلقوں کو ان دوروں کے پیچھے امریکہ کی سازش صاف نظر آ رہی ہے مگر وہ کھل کر کچھ کہنے سے شاید اس لئے گریز کر رہے ہیں کہ فوج کے برسراقتدار آنے کے بعد ان پر اذیتوں کے پہاڑ توڑ دیئے جائیں گے۔ افغانستان میں جنگ بند ہونے' روس میں جمہوری انقلاب آنے کے بعد خانہ جنگی شروع ہونے اور جنوبی ایشیاء میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے امریکہ کی نئی حکمت عملی بننے کے نتیجہ میں اب پاکستان میں جمہوریت چند ماہ کی اور مہمان نظر آتی ہے۔ اندرونی خلفشار اور سیاسی افراتفری انتہا کو پہنچ ہی چکی ہے۔ غلام اسحاق خاں اور بے نظیر بھٹو کے اختلافات بھی تمام حدود کو پار کر چکے ہیں' نواز شریف ملک کو کوئی طلسماتی سیاسی قیادت دینے میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں اور انہیں اقتصادی محاذ پر بھی زبردست ناکامی کا سامنا ہے۔ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کو جن بہانوں کی تلاش ہوتی ہے وہ سب اس وقت پاکستان میں موجود ہیں۔

اب نواز شریف کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ گئے' ایک یہ کہ وہ بے نظیر بھٹو سے سمجھوتہ کر لیں اور غلام اسحاق خاں کو ان کے عہدے سے ہٹانے کے لئے بے نظیر بھٹو کے ساتھ مل کر زور دار تحریک چلائیں یا ان کے اختیارات کو محدود بنانے کے لئے ضروری آئینی اقدامات کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو غلام اسحاق خاں فوج اور امریکہ تینوں مل کر انہیں اپنے راستہ سے ہٹا دیں گے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کٹھ پتلی وزیراعظم بنے رہیں گے' غلام اسحاق خان' امریکہ اور فوج کے اشاروں پر چلتے رہیں گے جس کے نتیجہ میں مسز بے نظیر بھٹو کی عوامی حمایت میں تیز رفتاری سے اضافہ ہو گا جو بعد میں فوج کے خلاف اٹھنے والے طوفان میں بے نظیر بھٹو کے کام آئے گا اور نواز شریف پاکستان کی تاریخ میں اپنے لئے کوئی خاص جگہ بنائے بغیر گمنامی کے غار میں چلے جائیں گے۔

تاخلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد: ۱ ، شمارہ: ۲
۲۸ جنوری تا ۳ فروری ۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرِتعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرِتعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت —— ۱۶ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش —— ۱۲ ″ ″
افریقہ، ایشیا، یورپ —— ۱۷ ″ ″
شمالی امریکہ، آسٹریلیا —— ۲۰ ″ ″

افتتاحیہ

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۝

اسلام کے نام پر اور نفاذ شریعت کے واضح وعدے کے ساتھ مسلمانوں کے ووٹ لے کر گذشتہ عام انتخابات میں جو اسلامی جمہوری اتحاد برسر اقتدار آیا تھا‘ اس کے شریعت کے ساتھ خلوص و اخلاص کی حقیقت منظر عام پر آچکی ہے اور اگر کسی ذہن میں کوئی مغالطہ تھا تو وہ سود کے معاملے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعد رفع ہوگیا ہے۔ فاضل عدالت نے بنک کے سود کو ربا قرار دے کر تقریباً دو درجن مالی قوانین کو خلاف اسلام قرار دیا جن میں کسی نہ کسی طور سود کا عمل دخل ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ ان قوانین اور ضابطوں کو منسوخ کر کے متبادل قانون سازی حکومت کی ذمہ داری ٹھہری اور اس کے لئے مہلت کا تقرر بھی کردیا گیا۔ ۳۰ر جون ۱۹۹۲ء تک خلاف اسلام قرار دیئے جانے والے مالی قوانین کی جگہ لینے کے لئے سود سے پاک قوانین و ضوابط تیار نہ ہوئے تو یکم جولائی کو یعنی اگلے دن موجودہ نظام کے منسوخ ہوجانے کے باعث خلاء پیدا ہوجائے گا جو ملکی معیشت کے لئے اقدام خودکشی کے مرادف ہے۔ حکومتی جماعت آئی جے آئی کے منشور میں معیشت کو جن آلائشوں سے پاک کرنے کے لئے عزم کا اظہار تھا‘ ان میں نام لے کر سود کو سرفہرست رکھا گیا تھا۔ یوں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ حکمران جماعت کے لئے فی الحقیقت ایک یاد دہانی کا درجہ رکھتا تھا اور ایک طرح سے مدد بھی کہ اگر آپ لوگ اپنے وعدے کے ایفاء میں کسی حلقے کی طرف سے دباؤ کے باعث ناکام ہورہے ہیں تو لیجئے یہ فاضل عدالت آپ کے ہاتھ مضبوط کئے دیتی ہے لیکن معلوم ہوا کہ مجبوریاں بھی ضرور ہوں گی‘ ادھر اصل مسئلہ نیت کی خرابی‘ ارادے کی کمزوری اور مفادات کی منہ زوری کا ہے۔ اب تو نہ کرتے حکومت کے ایماء پر لگ بھگ دس اپیلیں اور نظرثانی کی درخواستیں بھی خود عدالت عظمٰی اور اس کے شریعت بینچ میں دائر کی جاچکی ہیں ورنہ زبانی اقرار کے باوجود ہماری اسلامی حکومت کی طرف سے اس تاریخی فیصلے کے آنے کے بعد کوئی ایک بھی اشارہ ایسا موصول نہ ہوا تھا جس سے ظاہر ہوتا کہ تعمیل حکم کی تیاری کی جارہی ہے۔ برعکس اس کے آئے دن بچت اور سرمایہ کاری کے نئے سے نئے طویل المعیاد منصوبوں کا اعلان کیا جاتا رہا ہے جن میں ”منافع“ اور ”مارک اپ“ کی شرح کا تذکرہ ہی دلچسپی کی اصل بات تھی۔ اس صورت حال میں کوئی آنکھوں کا اندھا اور عقل سے کورا شخص ہی یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اس کھلی جنگ میں ”سیز فائر“ کا بھی کوئی امکان موجود ہے۔ ہماری مذہبی اور دینی جماعتوں نے جو مروجہ سیاست میں حکمران جماعت کا ضمیمہ ہیں‘ اس ڈھٹائی بلکہ بدبختی پر احتجاج تو کیا ہے لیکن وہ موثر نہیں ہورہا اس لئے کہ ایک تو ان کی عددی قوت ناقابل لحاظ ہے اور دوسرے ان کا اپنا مفاد اور سیاسی مستقبل بھی ایوان حکومت کی اس اکثریت کے ساتھ وابستہ ہے جو ”اسلام“ کا رویہ اپنانے یعنی احکام الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کردینے کے لئے تیار نہیں۔

اپنی حکومت کی اس باغیانہ روش پر ہر مسلمان کو مجسم احتجاج بن جانا چاہیے اور اجتماعی طور پر پوری قوت کے ساتھ مزاحمت کرنے کی ضرورت بھی ہے لیکن اس سے پہلے ہم میں سے ہر شخص کو یہ جائزہ لینے کی زحمت بھی اٹھانی چاہیے کہ دین کے ساتھ اس کے اپنے خلوص و اخلاص کی کیفیت کیا ہے۔ اس نے خود اپنی زندگی میں اور اپنے گھر میں شریعت کی کس درجے میں پابندی کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والوں کے سامنے صرف وہی وفادار لوگ ڈٹ سکیں گے جن کی اپنی نیت صاف ہو‘ ارادے میں پختگی ہو اور ذاتی مفادات کو قربان کردینے کی ہمت بھی پائی جاتی ہو۔ سو ہمارا مطالبہ حکومت سے یہ ہے کہ وہ حیلے بہانے چھوڑ کر سیدھے سبھاؤ احکام شریعت کے نفاذ کی راہ ہموار کرے تو آپ سے بھی ایک مطالبہ ہے یہ کہ اپنے آپ کو اللہ اور رسولؐ کی غلامی میں دینے کا شعوری فیصلہ کیجئے اور پھر اس پر قائم اور جادۂ ہوجایئے۔ اس کے بعد ہی آپ اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ بن سکیں گے اور اللہ کی زمین پر اس کے دین کو غالب بھی کرسکیں گے اور اس میں کامیابی نہ ہوئی تب بھی اپنی آخرت تو سنوار ہی لیں گے۔ یہ اخروی فلاح ہی ہمارا مقصود و مطلوب ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنی حکومت کا حق نصیحت ادا کرنے کی ضرور فکر ہے‘ وہ اس نصیحت پر کان دھرے تو اس کا بھی بھلا اور ہمارا بھی اس روز بھلا ہوگا جب ہر شخص کو فرداً فرداً اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونا ہے ورنہ آیئے ہم خود تو اس کڑے وقت کے لئے اپنی اپنی تیاری کریں --- ”وہ“ اپنی سزا کو پہنچیں گے‘ ہم اپنی جزا لے جائیں۔ ○○

الہدیٰ

سورۃ البقرہ (آیات ۸۰ تا ۸۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور وہ کہتے ہیں ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف گنتی کے چند دن'

(کہ یہود کو یہ زعم لاحق تھا کہ تمام انسانوں میں اللہ کے چہیتے اور لاڈلے بس وہی ہیں ۔ اپنے بارے میں وہ جس نوع کی خام خیالی کا شکار تھے اور جن جھوٹی آرزوؤں اور خوش نما تمناؤں کے سہارے وہ جی رہے تھے اسی کا ایک نمایاں مظہران کا یہ قول ہے کہ جہنم کی آگ اول تو ہمیں چھو نہیں سکتی اور اگر بفرض محال ہماری حد سے بڑھی ہوئی سیاہ کاریوں کی پاداش میں اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو کسی حد تک پورا کرنے کے لئے ہمیں جہنم میں ڈالا بھی گیا تو یہ بس زیادہ سے زیادہ چند دن کا معاملہ ہوگا ' پھر ہم باعزت طور پر وہاں سے نکال لئے جائیں گے --- مقام غور ہے کہ کیا آج امت مسلمہ کی ایک عظیم اکثریت بھی اسی نوع کی خام خیالی میں مبتلا نہیں کہ دوزخ کی آگ ہمارے لئے نہیں ' کچھ اور لوگوں کے لئے ہے ' ہم لاکھ خطاکار اور سیاہ کار سہی ' ہیں تو نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی! لہٰذا ہم تو پیدائشی جنتی ہیں ' جنت ہمارا وہ موروثی حق ہے جسے ہم سے کوئی چھین نہیں سکتا !--- یہی خام خیالی اور فکری گمراہی ہمارے عملی زوال کا اصل سبب ہے !)

کہو کیا تم نے اللہ کے پاس اس کے لئے کوئی عہد کرا لیا ہے کہ اب اللہ ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے عہد کی ' یا تم باندھ رہے ہو اللہ پر ایک ایسی تہمت جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں ○

(کہ اے نبی ' صلی اللہ علیہ وسلم ' ذرا ان سے پوچھئے کہ کیا اس معاملے میں تمہارا اللہ تعالیٰ سے کوئی قول و قرار ہوا ہے ' کوئی عہد معاہدہ طے پاچکا ہے کہ جس کے سبب سے اللہ کے ہاتھ بندھ گئے ہیں اور وہ تمہیں جہنم میں ڈالنے سے خود کو عاجز و مجبور پاتا ہے ' معاذ اللہ --- اور اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو تمہارا یہ قول اور دعویٰ نہ صرف یہ کہ بالکل بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے بلکہ یہ اللہ پر صریح بہتان طرازی کے مترادف ہے !)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

کیوں نہیں ' جس کسی نے ایک برائی بھی کمائی اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے تو وہی ہیں دوزخ والے ' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

(کہ جنت یا جہنم میں داخلے کا معاملہ اصلاً انسان کے ایمان اور عمل سے متعلق ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انسانوں میں سے ایک خاص نسل کے لوگ جنت کے وارث بنیں گے اور دیگر لوگ جہنم کا ایندھن۔ یاد رکھو کہ جس کسی نے جان بوجھ کر کسی برے عمل کا ارتکاب کیا اور وہ برا عمل اس کی زندگی پر یوں حاوی ہوگیا کہ اس نے ہر چہار طرف سے انسان کا احاطہ کر لیا ' گویا اس کے عقیدے اور عمل سب پر حاوی ہوگیا تو ایسا شخص نہ صرف یہ کہ نار جہنم میں جھونک دیا جائے گا بلکہ جہنم میں اس کا یہ داخلہ ابدالاباد تک کے لئے ہوگا !)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ' ایسے لوگ جنتی ہیں وہ رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش ○

(ہاں جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں وہ خواہ کسی نسل یا قبیلے سے ہوں ' جنت کے مستحق قرار پائیں گے اور تا ابد اللہ کی رحمتوں اور اس کی عنایات سے فیض یاب ہوتے رہیں گے)

علامہ اقبال کے اہم ترین نظریات کی غلط ترجمانی

وحدت امت، خلافت اور علماء

اقبال ترجمان القرآن تھے اور حقیقت پسند بھی

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطبہ جو کاروان اسلام کے حدی خواں کے دفاع میں ہے

"نظام خلافت اور وحدت امت کے ضمن میں علامہ اقبال کے نظریات کی غلط ترجمانی" میری آج کی گفتگو کا اصل موضوع ہے اس ضمن میں پہلے قرآن مجید کی چند آیات اور کچھ احادیث کی وضاحت کئے دیتا ہوں تاکہ اسی حوالے سے موضوع کو آگے بڑھایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت لقمان کی شخصیت کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا ہے حالانکہ وہ نبی نہیں تھے۔ اور نہ ہی یہ ثابت ہوسکا ہے کہ وہ کسی نبی کے امتی تھے بلکہ قرآن حکیم میں ان کے جو نصائح نقل ہوئے ہیں ان سے بھی داخلی طور پر اسی بات کی گواہی ملتی ہے کہ علم نبوت تک ان کی رسائی نہیں تھی۔ علم غیب کے وہ حقائق جو صرف انبیائے کرام کے ذریعے ہی انسانوں کے علم میں آسکتے ہیں' ان کا کوئی تذکرہ حضرت لقمان کے نصائح میں موجود نہیں ہے مگر وہ ایک سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی۔

قرآن مجید میں نبوت کے لئے عموماً "حکم" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسے فرمایا **اتینہ الحکم وا لنبوۃ**" اگرچہ حکم اور حکمت دونوں کا سہ حرفی مادہ ایک ہی ہے لیکن ان کے مفہوم میں بڑا فرق ہے لفظ "حکم" میں اختیار و اتھارٹی کا مفہوم پایا جاتا ہے حاکم کا لفظ بھی اسی سے مشتق ہے۔ حکم جس کو ماننا لازم ہوتا ہے' نبوت کے ساتھ خاص ہے کہ جو احکام انبیاء لے کر آتے تھے' وہ اتھارٹی کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ انجیل میں اسی نوع کے بڑے پیارے الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ جب حضرت مسیح بیت المقدس میں واعظ کہتے تھے تو وہاں کے لوگ بڑے تعجب سے یہ کہتے کہ

HE PREACHES WITH AUTHORTY

یعنی ان کا انداز تخاطب عام واعظین کا سا نہیں بلکہ یہ تو ایسے بات کرتے ہیں کہ جیسے کوئی صاحب اختیار شخص ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ انبیاء عام واعظوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ وہ اتھارٹی اور سند کے ساتھ اپنی دعوت لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انبیاء کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اختیار ملا ہوتا ہے جسے قرآن میں یوں بیان فرمایا گیا

"وماارسلنامن رسول الالیطاع باذن اللہ"

یہ "حکم" ہے جبکہ حکمت و دانائی اللہ کی ایک نعمت اور متاع ہے جو عام انسانوں میں سے ہی کچھ لوگوں کو عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے لئے ایسے کوئی خاص پیمانے مقرر نہیں جو ہمارے ذہنوں میں ہیں۔ چنانچہ جہاں تک تحقیق ہوسکی ہے اس کے مطابق حضرت لقمان حبشی النسل تھے' موجودہ حبشہ کے علاقے "نوبیہ" کے رہنے والے اور پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے لیکن حکمت کے خزانے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کھول دئے تھے حکمت کی اصل بنیاد کو بھی جان لیجئے کہ وہ کیا ہے؟ وہ بنیاد یہ ہے کہ جس دل میں سے دنیا اور دولت دنیا کی محبت نکل جائے' اس دل کی گہرائیوں سے حکمت کے چشمے ابلتے ہیں کہ قلب میں اللہ تعالیٰ یہ شے ودیعت کردیتا ہے

> **حکمت و دانائی اللہ تعالیٰ کی نعمت و متاع ہے جو عام انسانوں میں سے ہی کچھ لوگوں کو عطا کی جاتی ہے۔**

بصورت دیگر اس کے اوپر دنیا کی محبت کا بھاری پتھر پڑا رہتا ہے جس کے نیچے سے کچھ برآمد نہیں ہوسکتا۔ علامہ اقبال نے بھی دنیا اور دولت دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا تو " یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند" دنیا سے عبارت ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کے لئے دنیا اور ہے بھی کیا؟ مال و دولت دنیا اور رشتہ و پیوند ہی تو سب کچھ ہے۔ یہ بھاری پتھر اور سل اٹھا دیجئے تو قلب ہی کی گہرائیوں سے حکمت کے خزانوں کے سوتے ابلنے لگیں گے۔

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۹ میں فرمایا " **یوت الحکمہ من یشاء** جسے اللہ چاہتا ہے حکمت عطا فرمادیتا ہے۔ حکمت کسی نسل' کسی قوم کسی طبقے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی یہ نعمت جسے چاہتا ہے عطا کردیتا ہے **"ومن یوت الحکمہ فقد اوتی خیرا کثیرا"** اور جس کو حکمت عطا کردی گئی اسے تو خیر کثیر عطا کردیا گیا' دنیا کی دولت اس کے سامنے پرکاہ کے برابر وقعت نہیں رکھتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حکمت کے بارے میں ارشاد فرمایا **"الحکمہ ضالہ المومن ھو احق بھا حیث وجدھا"** یعنی حکمت تو مومن کی گمشدہ متاع کے مانند ہے وہ زیادہ حقدار ہے اس حکمت کا جہاں بھی ہو۔ یہ جہاں سے بھی ملے لے لو۔ جیسے آپ کی شے کسی نے چوری کرلی ہو تو آپ اسے واپس لینے کے لئے لپکتے ہیں کہ چور کا قبضہ تو قبضہ مخالفانہ ہوتا ہے۔ حضورؐ نے بعض جاہلی شعراء کے بارے میں فرمایا **"ان من الشعر لحکمہ و ان لمن البیان لسحرا"** بہت سے اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور بہت سے بیان' خطبے اور تقاریر جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے مومن کو اپنے ذہن کو کشادہ رکھنا چاہیے کہ

حکمت جہاں سے بھی ملے اس کی طلب ہونی چاہیے۔ حکمت کے حوالے سے ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس کا حامل متقی انسان ہے یا نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ غیر متقی انسان بھی حکمت و دانائی رکھتا ہو۔ اگر یہ چیز غیر مسلموں میں بھی ہوسکتی ہے تو غیر متقی مسلمانوں میں اس دولت کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں۔

دوسری بات مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ہمارے دین کی دو مستقل بنیادیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں بعد کی شخصیات کوئی بھی ہوں' ان سے اختلاف ہوسکتا ہے۔ اگرچہ شخصیات کی بھی اہمیت ہے اور افراد کی بھی لیکن سند کا درجہ کسی کو بھی حاصل نہیں کہ اصل چیزیں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہی ہیں۔ کلمہ طیبہ کے دو اجزاء کا منطقی تقاضا یہی ہے' یہی بنیادیں ہیں جن پر دین کا پورا قصر کھڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نمائندگی اللہ کی کتاب کررہی ہے اور رسول کی نمائندگی رسول کی سنت کررہی ہے۔ اسلامی تاریخ کا بڑا ہی اہم واقعہ ہے کہ جب فتنہ خلق قرآن اٹھ کھڑا ہوا تو امام احمد ابن حنبلؒ اس کے خلاف ایک چٹان کی مانند کھڑے ماریں کھارہے تھے۔ اس لئے کہ بنو عباس نے اسے ایک سرکاری عقیدے کی حیثیت سے اختیار کررکھا تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ اس کے مقابلے میں قرآن و سنت کے موقف پر ڈٹے رہنا آسان کام نہ تھا لیکن جب حکومت امام صاحب کو ان کے موقف سے ہٹانے کیلئے جسمانی تشدد کرتی تو امام صاحبؒ کی زبان سے ایک ہی جملہ نکلتا کہ **"ائتونی بشی من کتاب اللہ و سنت رسولہ حتی اقول"** میرے پاس اللہ کی کتاب (اور نبیؐ کی سنت میں سے کوئی دلیل لاؤ تو میں وہ بات کہہ دوں گا جو تم چاہتے ہو لیکن ان کے بغیر تم مجھ سے کوئی بات نہیں منواسکتے۔ تم تشدد کرسکتے ہو' میری جان لے سکتے ہو لیکن کتاب و سنت میں سے دلیل کے بغیر مجھ سے کوئی بات نہیں کہلوا سکتے۔

یہ تو دین کی دو مستقل بنیادیں ہیں لیکن جہاں تک قانون شریعت کا تعلق ہے' اس میں کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ دو اور ماخذ بھی ہیں جن میں سے ایک ماخذ اجماع اور دوسرا ماخذ قیاس ہے۔ کسی بھی مسئلے پر پوری امت مسلمہ کے اتفاق کو اجماع کہا جاتا ہے یہ اجماع قطعی الثبوت ہے جو صرف دور خلافت راشدہ میں ہوسکا ہے اس لئے کہ اس وقت امت میں سیاسی وحدت تھی'

جس دل سے دنیا اور دولت دنیا کی محبت نکل جائے' اس دل کی گہرائیوں سے حکمت کے چشمے ابلتے ہیں۔

کوئی تفرقہ و اختلاف نہ تھا' کسی مسلک کا فرق و امتیاز نہ تھا۔ چنانچہ اس دور کے اجماع کو قطعی الثبوت اجماع کہا جاتا ہے جو ہمارے لئے حجت کا درجہ رکھتا ہے۔ بعد کے زمانے میں جو اجماع منعقد ہوئے' ان کے درجات مختلف ہونگے اور یہ قطعی الثبوت اجماع ایک دفعہ پھر اس دور میں منعقد ہوگا جب از سر نو خلاف علی منہاج النبوۃ کا دور آئے گا جو عالمی ہوگا' پوری دنیا پر قائم ہوگا' پورا عالم اسلام ایک وحدت بن جائے گا' ایک ہی سیاسی نظام ہوگا' تفرقے ختم ہوجائیں گے۔ چوتھا ماخذ "قیاس" ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اجتہاد اور قیاس تو قیامت تک ہوتا رہے گا اس لئے کہ حیات انسانی مسلسل تغیر پذیر ہے' معاشی حالات اور تمدنی حالات میں تبدیلی آرہی ہے' سیاسی اور سائنسی حالات میں بھی تغیر ہو رہا ہے' نئی نئی ایجادات اور نئے نئے انکشافات ہورہے ہیں جن سے نئے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ ان جدید اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنا اور قرآن و سنت کی منشاء کے مطابق حکم تلاش کرنا ہی تو اجتہاد ہے۔ اس کام میں بڑی محنت اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اجتہاد کا مادہ بھی جہد ہے۔ جہد ہی سے جہاد کا لفظ بھی بنا ہے اور اجتہاد کا بھی۔ جہاد باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے معنی کشاکش کے ہیں' ایک طرف سے آپ زور لگا رہے ہیں تو دوسری جانب سے اہل کفر توانائی صرف کررہے ہیں' دونوں طرف مقابلے کی کیفیت ہے۔ یہی جہاد ہے جبکہ اجتہاد باب افتعال سے ہے' اس میں انسان خود اپنے اوپر مشقت جھیلتا ہے۔ ایک مجتہد کمرے میں بیٹھ کر کتاب و سنت کی نصوص پر غور و فکر کرتا ہے اس کے نظائر و امثال پر اپنی نگاہ دوڑاتا ہے' پیش آمدہ حالات واقعات پر غور کرتا ہے' مجتہد کی اسی مشقت کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ نئے حالات میں کتاب و سنت میں غوطہ زن ہو کر دین کا منشاء معلوم کرنا ہی اجتہاد ہے جو جاری رہنے والی شے ہے۔

یہ تو ہوئے قانون شریعت کی تشریح و تعبیر کے اصول و قوانین یا ماخذ لیکن اس کے باوجود اشخاص اور افراد کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اگرچہ اصولوں کے مقابلے میں افراد کی حیثیت ثانوی درجے کی ہے تاہم ۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کے ستارہ

پھر علامہ اقبال نے یہ بھی کہا ہے کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

ملت کی اجتماعیت کو سامنے رکھیے تو فرد کی اہمیت کم ہوجائے گی لیکن اس میں کیا شک ہے کہ افراد ہی قوموں کی تقدیر بدل کر رکھ دیتے ہیں اور مجددین امت کا سلسلہ اس کی واضح مثال ہے۔ ختم نبوت سے جو ایک طرح کا خلا پیدا ہوا تھا' اسے اللہ تعالیٰ نے مجددین امت کا سلسلہ جاری فرما کر پر کردیا پھر قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا کہ اس میں تحریف نہیں ہوسکتی۔ اس میں ہدایت کی تکمیل کردی گئی لہٰذا اس کی حفاظت کا بندوبست بھی ساتھ ہی کیا **"انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"** کتاب کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مجددین امت کا سلسلہ جاری فرمادیا گیا **"ان اللہ یبعث فی ھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ عام من یجدد لھا دینھا"** اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے اشخاص اٹھاتا رہے گا جو دین کو تازہ کرتے رہیں گے اور تیسری ضمانت یہ دی گئی ہے کہ **لا تزال فی امتی طائفۃ قائمین علی الحق** " میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ لازما حق پر قائم رہے گا' دنیا اہل حق سے کبھی خالی نہیں ہوگی۔ یہ ضمانت امت مسلمہ دی گئی ہے تاکہ جو بھی طالب حق ہو وہ حق کی طرف رجوع تو کرسکے' ایک ہی روشنی کا مینار ہو لیکن موجود تو ہو جس سے روشنی حاصل کی جاسکے۔

ظاہر بات ہے مجددین کا تعلق انبیاء کے گروہ سے تو نہیں لیکن اشخاص کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ کتاب اللہ کی تعلیمات ہمیں آئمہ تفسیر کے حوالے سے ملیں جبکہ حدیث و سنت کا علم آئمہ حدیث سے ملا اسی طرح آج تک جو اجتہاد ہوتا رہا' اس کا ریکارڈ آئمہ فقہ کے حوالے سے موجود ہے۔ کسی فرد کو اگرچہ سند کا درجہ حاصل نہیں ہے کہ یہ مقام اللہ کی کتاب اور اس کے

رسول کی سنت کو حاصل ہے تاہم اشخاص کا بھی ان کی خدمات اور قربانیوں کے حوالے سے مقام و مرتبہ معین ہوتا ہے اور تسلیم بھی کیا جاتا ہے پاکستان کے اعتبار سے اسی طرح دو اشخاص کی بڑی اہمیت ہے اور ان دو ہی کے نظریات اور افکار کا ہی حوالہ بھی دیا جاتا ہے جب کبھی نظریہ پاکستان کی بات ہو' نظام پاکستان کی بات ہو' ظاہر بات ہے کہ پاکستان کی تاسیس اور اس کے قیام میں ان دو شخصیات کا بڑا عمل دخل ہے' ان کی بڑی اہمیت ہے' ان کی مساعی' ان کی جدوجہد غیر متنازعہ ہے۔ ان دو میں سے ایک شخصیت علامہ اقبال کی ہے تو دوسری قائداعظم محمد علی جناح کی۔ کسی کو پسند ہو یا ناپسند لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ موجود رہے گی کہ پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے ان حضرات کی بڑی اہمیت ہے۔ البتہ ان دونوں شخصیات کے مابین موجود فرق و امتیاز کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

دراصل مجوز پاکستان' مفکر پاکستان اور مصور پاکستان کی حیثیت علامہ اقبال کو حاصل ہے جبکہ قائداعظم کی حیثیت معمار پاکستان' بانی پاکستان اور موسس پاکستان کی ہے۔ ہمارے ہاں کچھ عرصے سے یہ غلطی کی جارہی ہے کہ پاکستان کے نظام کے ضمن میں جہاں گفتگو ہوتی ہے' قائداعظم کے افکار و اقوال ہی کے حوالے سے ہوتی ہے حالانکہ اس میں اصل اہمیت علامہ اقبال کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے کچھ عرصہ قبل علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کی طرف از سرنو لوگوں کی توجہ مبذول کروانے کی کوشش کی ہے۔ کہ آج یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ جو پاکستان کا مجوز و مفکر تھا اس نے قیام پاکستان کی بنیاد کسے قرار دیا ہے۔ کونسے عوامل انہوں نے معین کئے تھے' وہ سامنے آئیں ۔ کیا اہداف تھے جس کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا کیا مقاصد تھے؟ علامہ کے متعلق پانچ باتیں پیش نظر رہنی چاہیں ایک یہ کہ وہ نبی نہیں تھے اس اعتبار سے تو وہ خود بھی کہتے ہیں کہ "میں نہ عارف نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہ" دوسرے معصوم بھی نہیں تھے۔ ان سے فکری خطا اور علمی غلطی بھی ممکن ہے اور عملی اعتبار سے تو ظاہر بات ہے کہ وہ ہمارے لئے قابل تقلید شخصیت نہیں ہیں۔ علامہ کا معاملہ سوچ کا ہے' فکر کا ہے' نظریات کا ہے' خیالات کا ہے لیکن اس فکر کے اندر بھی لغزش کا پہلو موجود ہے کہ وہ

علامہ اقبال کی اصل حیثیت ایک دانشور' ایک مفکر اور ایک حکیم انسان کی ہے۔

معصوم نہیں تھے۔ علامہ اقبال کی اصل حیثیت ایک دانشور' ایک مفکر اور ایک حکیم انسان کی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حکمت دین کے اعتبار سے موجودہ دور میں علامہ اقبال کا بہت اونچا مقام ہے لیکن ایک دانشور' مفکر اور حکیم انسان کی حیثیت میں بھی ان کے فکر میں تدریجی ارتقاء ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ صرف وحی ہی اپنے آغاز سے کامل و اکمل ہوتی ہے کہ پہلی آیت بھی اللہ کی جانب سے نازل ہوئی تھی اور آخری بھی اس کی طرف سے عطا ہوئی۔ لیکن غیر نبی کی سوچ بچار میں' نظریات میں ارتقائی عمل جاری رہتا ہے۔ اسی ارتقائی عمل کی وجہ سے علامہ اقبال کے ہاں بعض تضادات بھی نظر آتے ہیں۔ نوجوانی کے عالم کا ایک دور ہے جب وہ ہندی قوم پرستی اور وطن پرستی کے جذبے سے معمور ہو کر ہندو قوم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ۔

مٹی کی مورتوں میں سمجھا تو کہ خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

اور "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا" یہ بھی ایک دور کی بات ہے لیکن پھر ایک وہ دور بھی آیا جب علامہ ان تصورات سے بلند ہوئے اور کہا کہ "مسلم ہیں ہم' وطن ہے سارا جہاں ہمارا" یہ آفاقی کیفیت بھی علامہ کی سوچ میں داخل ہوئی۔ کوئی مفکر اور دانشور ایسا نہیں ہے جس کے فکر میں تدریجی ارتقاء نہ ہوا ہو۔ دیانت کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی اپنی سوچ میں واقع ہونے والی تبدیلی کو تسلیم کرلے کہ پہلے میری رائے یہ

اگرچہ اشخاص اور افراد کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر سند کا درجہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

تھی اور اب یہ ہے۔ علامہ اقبال ہی نے قادیانیوں کے خلاف جب بڑی شدومد کے ساتھ موقف اختیار کیا کہ یہ اسلام سے خروج ہے' اسلام سے بغاوت ہے' قادیانی غیر مسلم ہیں' وہ ملت سے کٹ چکے ہیں تو اس پر کچھ لوگوں نے علامہ سے کہا کہ کسی زمانے میں تو آپ غلام احمد قادیانی کی بڑی تعریفیں کرتے تھے اس پر علامہ نے جواب دیا ONLY STONES DO NOT CHANGE یعنی صرف پتھروں میں تبدیلی نہیں آتی ورنہ انسانی ذہن میں تو تبدیلی آتی رہتی ہے۔ پہلے میری معلومات ناقص تھیں' اب مکمل ہیں۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کی فکر ناقص ہو جو بعد میں نئے حالات میں جدید معلومات سے کامل ہوجائے۔ موقف بدلنے کے باوجود جو لوگ تاویلیں کرتے ہیں کہ پہلے بھی فلاں معنی میں میرا موقف یہی تھا اور اب بھی فلاں معنوں میں وہی ہے' ان کا یہ رویہ اہل علم کی روش کے خلاف ہے۔

اگرچہ علامہ اقبال کو میں حکیم الامت کی حیثیت سے مانتا ہوں لیکن ان کے فکر میں بھی ارتقا ہوا اور وہ تدریجا اس مقام بلند تک پہنچے ہیں۔ اس کے علاوہ میرے نزدیک علامہ اقبال کی شخصیت میں دو حسین ترین امتزاج موجود تھے ایک تصور پسندی <IDEALISM>ک ہے کہ یہ ہونا چاہیے دوسری بات حقیقت پسندی (REALISM) ہے کہ چونکہ یہ ہے تو ایسا ہونا چاہیے۔ اس مین زمین آسمان کا فرق ہے۔ بعض لوگ ہمیشہ ہواؤں میں ہی اڑتے رہتے ہیں اور ان کے قدم زمین پر ٹکتے ہی نہیں' ایسے لوگ نہ خود چلتے ہیں نہ قوم کو لیکر چل سکتے ہیں۔ "رود کوثر" کے مصنف شیخ محمد اکرام نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کی بڑی بدقسمتی ہوئی کہ اس صدی کے آغاز میں اسے چند ایسے لیڈر میسر آئے جو صحافی تھے' جن کا لوگوں سے رابطہ نہیں تھا' وہ گاؤں گاؤں پھرے نہیں تھے' جنہوں نے معاشرے کے رنگ ڈھنگ کو دیکھا نہیں تھا بلکہ میز پر بیٹھ کر لکھتے رہے' انہیں معلوم ہے کہ میرا پرچہ ایک لاکھ کی تعداد میں چھپے گا تو دس لاکھ پڑھیں گے۔ ایسے تصورات کے زیر اثر ان لوگوں نے عوام کو بڑی اونچی منزلوں کی سیر کرائی لیکن زمین پر قدم بہ قدم چلنا نہیں سکھایا۔ اس کے مقابلے میں ہندوؤں کے راہنما بڑے حقیقت پسند تھے' وہ خود بھی قدم بہ قدم چلے اور اپنی قوم کو بھی قدم بہ قدم آگے

ہیں اگرچہ بعد میں سب کچھ دھڑام سے زمین پر ہی کیوں نہ آگرے۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو سامنے ہو اسی کے حوالے سے کام کرتے ہیں انہیں مستقبل کے حوالے سے کوئی فکر اور اندیشہ نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں سیاستدانوں کی یہی روش ہے جبکہ ہمارے نظریاتی قائدین تصوراتی شخصیتوں کے مالک تھے۔

سب سے مشکل کام آئیڈیل ازم اور حقیقت پسندی کو باہم جمع کرنا ہے۔ علامہ اقبال کے ہاں یہ دونوں چیزیں بیک وقت موجود ہیں اور یہ ان کا امتیازی پہلو ہے۔ دوسری چیز جو ان کے ہاں موجود ہے' وہ بھی تضادات ہی کے ضمن میں آتی ہے۔ ان کو بھی جمع کئے بغیر کوئی با معنی اور نتیجہ خیز کام نہیں ہوسکتا۔ ان تضادات میں سے ایک روح دین اور دوسرا روح عصر کا تقاضا ہے' ان دونوں کا امتزاج نہیں ہوگا تو وہ تصورات لے کر بیٹھے رہیں گے اور حالات کی تبدیلی سے جو تغیر پیدا ہوچکا ہے' اس کے تقاضوں کو سامنے نہیں رکھیں گے۔ اور بس۔۔ اپنی ہی خیالی جنت میں گم رہیں گے تو عملاً دنیا کے اندر آپ کی جدوجہد کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکے گا۔ روح دین اور روح عصر دونوں کے تقاضوں کو باہم اس طرح سمونا کہ روح دین بھی مجروح نہ ہو اور روح عصر کے تقاضے بھی پورے ہوں' آسان کام نہیں۔ اسی طرح آئیڈیل بھی نگاہوں کے سامنے رہے البتہ جو حقیقت واقعہ ہے اس کو سامنے رکھ کر اپنی حکمت عملی اس کے مطابق تشکیل دی جائے تو اسی میں حکمت دین ہے ۱۹۷۳ء میں ایچی سن کالج میں "علامہ اقبال اور ہم" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے میں نے دو دعوے کئے تھے جنہیں آج بھی میں صحیح سمجھتا ہوں یہ کہ علامہ اقبال اس صدی کے سب سے بڑے داعی قرآن بھی تھے اور ترجمان القرآن بھی۔ اگرچہ اس پہلو سے مولانا ابوالکلام آزاد کا بھی ایک مقام ہے لیکن عظمت قرآن کا انکشاف جس گہرائی میں' جس گیرائی میں علامہ اقبال پر ہوا ہے مجھے دوسری شخصیت میں نظر نہیں آتا۔ کسی اور پہلو سے عظمت اور تقدس کا معاملہ جدا ہے کہ یہ تو ہر مسلمان کے دل میں ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن قرآن کی عظمت کا فکری سطح پر انکشاف' شعور کی سطح پر ادراک کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ میرے نزدیک اسی حوالے سے علامہ اقبال کے

جو لوگ علامہ اقبال کے افکار کی غلط ترجمانی کررہے ہیں ان کی برملا تردید کی جانی چاہیے۔

آس پاس بھی کوئی شخص نظر نہیں آتا۔

اسی طرح اس دور کے سب سے بڑے ترجمان القرآن بھی علامہ اقبال ہی تھے۔ دین کی روح' اس کی تعبیر اور نظام دین کے حقائق اور اس کی اساسات کی صحیح ترین تعبیر جس جامعیت کے ساتھ علامہ اقبال نے کی یہ ان ہی کا کام ہے۔ اگرچہ بعض دوسرے حضرات نے ان کے فکر سے خوشہ چینی بھی کی ہے' اسے آگے بھی بڑھایا ہے' اس کو عام بھی کیا ہے' سہل انداز میں لوگوں تک پہنچایا ہے' یہ سب کچھ اپنی جگہ لیکن علامہ اقبال کی شخصیت سب سے بڑھ کر ترجمان القرآن کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ جیسے کسی زمانے میں امام ابن تیمیہ کی وفات کے موقع پر کہا گیا تھا کہ "**صلوا علی ترجمان القرن**" آؤ اس شخص کی نماز جنازہ ادا کرو جو قرآن کا ترجمان ہے۔ یہی مقام اس دور میں میرے نزدیک علامہ اقبال کا ہے یا یوں کہیے کہ کسی دور میں جو مقام مولانا روم کا تھا کہ "مثنوی مولوی معنوی' ہست قرآں در زبان پہلوی" آج یہی مقام علامہ اقبال کو حاصل ہے' یہی وجہ ہے کہ میرا طرز عمل یہ رہا ہے کہ میں حقائق دین کی تعبیر کے لئے علامہ اقبال کے کلام سے بھرپور مدد لیتا ہوں۔ ان سب حقیقتوں کے باوجود مجھے اس افسوس ناک امر کی طرف توجہ دلانی پڑرہی ہے کہ علامہ اقبال کے افکار کی غلط ترجمانی بھی شدت کے ساتھ کی جارہی ہے۔

علامہ اقبال کے ہاں چونکہ تضادات بھی ہیں چنانچہ ہندو قوم پرست بھی علامہ اقبال کے

روح دین اور روح عصر دونوں کے تقاضوں کو باہم اس طرح سمونا کہ روح دین بھی مجروح نہ ہو اور روح عصر کے تقاضے بھی پورے ہوں آسان کام نہیں۔

کلام سے اپنے حق میں سند لاسکتا ہے کہ "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا" تو کوئی دوسرا اگر مسلم قومیت کے فلسفے میں گرفتار ہے' تو کوئی دوسرا شعر ڈھونڈ لائے گا۔ ضیاء الحق جمہوریت کے دشمن ہوگئے تھے' انہوں نے علامہ کے کلام کو اپنے موقف کی حمایت میں استعمال کیا کہ علامہ نے جمہوریت کی مذمت کی ہے جبکہ وہ دانشور حضرات جو جمہوریت کے قائل ہیں انہیں بھی علامہ اقبال ہی کے کلام سے جمہوریت کے حق میں اشعار مل جاتے ہیں۔ اس طرح مختلف لوگ علامہ کے فکر کے حوالے سے غلط فائدے حاصل کرتے ہیں اور اپنی دکانیں چمکاتے ہیں اور بعض اوقات جان بوجھ کر بھی ایسا کیا جاتا ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان کے آخری دور کے نظریات کو دلیل بنانا چاہیے نہ کہ ابتدائی دور کے خیالات و افکار کو چنانچہ علامہ کے حوالے سے ستم بالائے ستم یہ ہے کہ خود علامہ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے "علم جہاد" بلند کر رکھا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال علامہ کے فرزند ارجمند ہیں' اس حوالے سے ان کا ایک مقام ہے اور انہیں ایک اعتبار سے سند کا درجہ حاصل ہے۔ وہ اگر علامہ اقبال کے افکار کی غلط ترجمانی کررہے ہیں تو اس کی تردید بھی برملا ہونی چاہیے۔ ان کا ادب اپنی جگہ ان کا احترام بھی بجا لیکن اس سب کے باوجود علامہ اقبال کے افکار و خیالات کی غلط ترجمانی میرے نزدیک ایک جرم ہے جس کا وہ ارتکاب کررہے ہیں۔ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بات علامہ نے بیان کی ہے اس جوں کا توں بیان کیا جائے۔ ہاں جہاں اختلاف ہے صاف وضاحت ہونی چاہیے۔ خود میں علامہ اقبال کی بہت سی باتوں سے متفق نہیں ہوں۔ اجتہاد کے ضمن میں جو باتیں علامہ اقبال نے کہیں ہیں' وہ میرے لئے قابل قبول نہیں ہیں علامہ اقبال نہ نبی تھے اور نہ نبیؐ معصوم عن الخطا تھے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کی ہر بات اس لئے سند کا درجہ رکھتی ہے کہ وہ علامہ اقبال کی بات ہے بلکہ اصل سند تو قرآن اور سنت رسولؐ ہے۔ علامہ اقبال کی ملی خدمات کا جس قدر میں معترف ہوں سب کو معلوم ہے اور یہ میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں' برملا کہتا ہوں اور اس میں مجھے کسی درجے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ علامہ کو میں اس صدی کا سب سے بڑا داعی قرآن اور سب سے بڑا ترجمان

القرآن سمجھتا ہوں لیکن اس کے باوجود ان سے بعض باتوں میں اختلاف ہے۔

ہم میں تو اتنی جرات ہونی چاہیے کہ قائد اعظم کے تمام تر احسانات اپنی جگہ ان کی اختلافی باتوں پر بھی تنقید کی جائے کیونکہ ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ ہمیں کسی کو بھی معبود کا درجہ نہیں دینا چاہیے' کسی کو بت نہیں بنا لینا چاہیے۔ جس نے جو کام کیا ہے اس کا کریڈیٹ اسے دیجئے لیکن اسے ہرگز معصوم مت سمجھے کسی کے افکار کی غلط ترجمانی بھی مت کیجئے' کسی کے منہ میں اپنی بات مت ڈالئے بلکہ اپنی بات کو اپنے حوالے سے پیش کیجئے' دھڑلے سے کہئے' ڈنکے کی چوٹ پر کہئے' جرات کے ساتھ کہئے۔ ابھی پچھلے دنوں ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے ایک اخباری انٹرویو میں علماء پر تنقید کی معروف ادیب اشفاق احمد صاحب نے جوابا ایسے الفاظ استعمال کئے جو عوام کو مزید مغالطے میں مبتلا کرنے والے تھے کہ "رات کا اقبال اور ہے اور دن کا اقبال اور۔ رات کے اقبال پر الہام ہوتا تھا جس کے لئے دن کا اقبال عقلی توجیہات پیش کرتا تھا" لہٰذا لوگوں نے اشفاق صاحب پر پھبتیاں بھی چست کیں۔

اب میں چاہتا ہوں کہ وحدت امت' نظام خلافت اور علماء کے بارے میں علامہ اقبال کے افکار کی جو غلط ترجمانی کی جارہی ہے خصوصا ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کے بارے میں اپنے خیالات آپ حضرات کے سامنے رکھوں۔ سب سے پہلی بات علامہ کے حوالے سے آئیڈیل ازم IDEALISM اور ریل ازم REALISM کے حوالے سے ہے۔ علامہ اقبال سے بڑھ کر وحدت امت کا حدی خواں اس دور میں دوسرا کوئی نہیں ہے۔ پچھلی صدی میں جمال الدین افغانیؒ اور اس صدی میں علامہ اقبال وحدت امت کے علمبردار تھے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اور فرمایا۔

تاخلافت کی بناء دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اور کہیں فرمایا۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تو رانی نہ افغانی

علامہ اقبال کے یہ اشعار تو اس قدر معروف و مشہور ہیں کہ عوام خواص سب کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں وحدت امت کے بارے میں ان کا یہ شعر بھی ہے۔

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ملت کی وحدت اور احیائے خلافت کے لئے ان اشعار میں علامہ اقبال کی حدی خوانی پورے طور سے واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے لیکن حقیقت پسندی یہ ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں تسلیم کیا ہے کہ اس وقت بالفعل دنیا میں کوئی ایک امت مسلمہ موجود نہیں ہے بلکہ مختلف مسلمان اقوام ہیں' مسلمان ممالک ہیں۔ اور صورت واقعہ یہی ہے۔ اگرچہ آئیڈیل اور مقصود بھی نگاہوں کے سامنے رہنا چاہیے کہ پوری امت ایک وحدت کی صورت میں ایک ملت بن جائے' یہ کام بھی ہونا چاہیے' ہماری جدوجہد کا مرکز و محور یہی آئیڈیل ہو لیکن جو صورت واقعہ ہے کہ ایک امت کہیں موجود نہیں ہے تو علامہ اقبال کہتے ہیں کہ سردست اگر مسلمان ممالک کی ایک "کامن ویلتھ" ہی قائم ہوجائے تو بہت بڑی بات ہوگی۔ میرے نزدیک علامہ کی یہ بات صد فی صد صحیح ہے' یہی واحد ممکن العمل راستہ ہے' یہی اعتدال کی راہ ہے۔ لیکن روزنامہ جنگ کی ۲۲ اکتوبر کی اشاعت میں ڈاکٹر جاوید اقبال کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں جسٹس صاحب نے لکھا ہے کہ "اقبال اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں قومی ریاستوں کا وجود ضروری ہے" دیکھیے ڈاکٹر جاوید اقبال نے بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ جو صورت واقعہ اس وقت موجود ہے اسے اقبال نے تسلیم کیا اور اسے بیان بھی کیا لیکن یہ اضافہ ہے علامہ اقبال کے کلام پر بلکہ اس کی غلط ترجمانی ہے۔

علامہ اقبال دنیائے اسلام کے اس اتحاد کو جو نظام خلافت کے تحت قائم تھا' ایک فرسودہ سیاسی تخیل سمجھتے تھے لہٰذا اسے رائج نہیں کیا جا سکتا۔ "اناللہ وانا الیہ راجعون"۔ اب ایسی باتیں بھی اقبال کی طرف منسوب کردینا۔ میرے نزدیک علامہ اقبال کے پورے نظریات کی نفی ہے' ان کے فکر کے نفی ہے' علامہ اقبال کے افکار کی غلط ترجمانی ہے۔ علامہ اقبال تو کہہ رہے ہیں کہ۔

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اسلاف کے قلب و جگر سے کیا مراد ہے؟ یہی کہ انہی کا طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا' انہی کی طرح جدوجہد کرنا ہوگی' ان کے کردار کی کوئی جھلک اپنے اندر پیدا کرنا ہوگی اس لئے کہ امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہوسکے گی مگر اسی طریقے سے' جس سے پہلے حصے کی ہوئی تھی وہی جرات' وہی ہمت' وہی ایثار' وہی قربانی' وہی مجاہدہ لیکن اگر نہیں کرو گے تو ہوگا بھی کچھ نہیں لہٰذا موجودہ حالات میں تو مسلمانوں کی کامن ویلتھ کی بات بھی غنیمت معلوم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو بنو امیہ' بنو عباس اور آل عثمان کی خلافت' خلافت علی منہاج النبوۃ نہیں تھی۔ امت نے اسے خلافت راشدہ کے طور پر قبول نہیں کیا اگرچہ حکومت کے لئے لفظ خلافت ہی استعمال ہوتا رہا ہے۔ جیسے آج ہم نام کے مسلمان ہیں ویسے ہی وہ نام کی خلافت تھی' حقیقت میں تو یہ ملوکیت کا دور تھا۔ اگرچہ ان لوگوں میں اچھے بادشاہ بھی ہوئے' بہت اعلیٰ کردار کے لوگ بھی آئے۔ حضرت عمر بن العزیز تو مجدد اول بھی تھے اور اپنی ذات میں خلیفہ راشد بھی اس لئے کہ انہوں نے اپنی نامزدگی کو از خود ختم کر کے خود کو عوام کے سامنے پیش کردیا تھا اور یہ کہ میں محض نامزدگی کی وجہ سے عہدے پر برقرار نہیں رہنا چاہتا' ہاں اگر آپ لوگ چاہیں تو میں یہ ذمہ داری اٹھا سکتا ہوں۔ ان کے علاوہ بھی اچھے لوگ آئے مگر خلافت کا ادارہ درحقیقت ملوکیت میں بدل چکا تھا لیکن اس دور حکومت کی گئی گزری شکل اور حالت جو عثمانی خلافت کے حصے میں آئی جسے یورپ کا مرد بیمار بھی کہا جاتا تھا' اسے بھی خلافت کے ادارے کی ایک علامتی اور نمائشی حیثیت حاصل تھی۔ عثمانی خلیفہ کے نام کا خطبہ مساجد میں پڑھا جاتا تھا ورنہ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے' کسی جگہ مغلوں کی حکومت قائم تھی تو کہیں صفویوں کی اور کہیں دوسرے سلاطین کی۔ اس کے باوجود خلافت کا ادارہ موجود تھا جو مسلمانوں کی سیاسی وحدت کا ایک نشان تھا۔ آج بھی "کامن ویلتھ" اگر بن جائے تو وہ خلافت کا نعم البدل تو نہیں ہوگی لیکن علامہ اس "مسلم کامن ویلتھ" کو بھی غنیمت سمجھتے تھے..... (جاری ہے)۔

تنظیم اسلامی لاہور کے رفقاء نے تحریک خلافت پاکستان کے مقامی معاونین کے اشتراک سے ۱۹ر جنوری کو لاہور میں سود کے تحفظ کی کھلی اور چھپی سرکاری کوششوں کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنے کی غرض سے ایک منظم اور پر امن مظاہرہ کیا۔ یہ مظاہرہ مختلف مقامات پر رک کر اور مال روڈ کے ایک بارونق حصے پر سیدھی قطاروں میں مارچ کرتے ہوئے اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوا' بایں معنی کہ شہریوں نے مظاہرین کے جذبات پڑھ لئے' امن و امان کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا' ٹریفک کی روانی میں کوئی خلل واقع نہ ہونے دیا گیا اور مال روڈ کے دوکانداروں نے بھی سکھ کا سانس لیا جو شہر کی اس سب سے بڑی شاہراہ پر آئے دن کی ہڑتال پر سراپا احتجاج ہیں۔

اس مثالی مظاہرے نے انگریزی اخبارات کی توجہ کو تو اپنی طرف مبذول کیا جنہوں نے اس کی بڑی تصاویر نمایاں انداز میں شائع کیں لیکن قومی اردو روزناموں نے اسے لائق اعتناء نہیں سمجھا۔ ہم ابھی نہی المنکر باللسان کے مرحلے میں ہیں اور اس کا وہ اسلوب بہرحال حکمت دین کے مطابق تھا جو اس مظاہرے میں اختیار کیا گیا۔

روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور

اسلام کے تین دشمن:
سود' یہود اور ہنود

لاہور میں سود کو تحفظ دینے کی سرکاری کوششوں کے خلاف ایک بھرپور مظاہرہ

روزنامہ دی نیوز لاہور

روزنامہ دی نیشن لاہور

روزنامہ ڈان لاہور سیکشن

ایران کو بھی "امامت" کی بجائے "خلافت" ہی کو اختیار کرنا پڑا

نظام خلافت اور ایرانی انقلاب

مسلمانوں کے دو بڑے دھڑوں میں فاصلہ اب کم کیا جاسکتا ہے

نظام خلافت پر مجلس مذاکرہ میں صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کی تقریر کا خلاصہ

خلافت اور اس جیسے اہم موضوعات کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے لوگوں ہی کا یہ منصب ہے کہ کوئی واضح موقف دے سکیں۔ جبکہ ہم تو اسلام کی عمارت کے لئے اینٹ گارا بننے کے لئے تیار ہیں۔ میں کبھی اپنے ہاتھ میں کسوٹی رکھنے پر اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتا اس لئے کہ اگر ہر شخص مفکر اور فلاسفر بن جائے تو کام آگے نہیں بڑھتا۔

جب کوئی معاشرہ تشکیل پا رہا ہو تو اس کی نشو و نما میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں لیکن اصطلاحات کا اپنا اثر ہوتا ہے' اصطلاحات اپنے اندر بڑی تاثیر رکھتی ہیں۔ جس حوالے سے بات ہوگی' وہ چاہے شعر ہو' ادب ہو' نثر ہو' مذہب ہو' نفسیات ہو' سیاست ہو' معاشیات ہو ان میں ہر اصطلاح کی اپنی Terminology ہوتی ہے جب تک اسے اختیار نہ کیا جائے' نہ اس کے لئے ذہن بدلتے ہیں اور نہ دل ہی آمادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم خلافت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہ نہیں ہوتا کہ کسی کے ذہن میں کوئی بات آئی اور لکھ دی۔ اسلام کے نظام حکومت کے لئے بے شمار الفاظ آپ وضع کرلیں لیکن ایک مسلمان کی جو ذہنی' قلبی' نظریاتی' جذباتی اور روحانی وابستگی لفظ خلافت کے ساتھ وابستہ ہوسکتی ہے وہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتی۔

کسی بھی نئی اصطلاح کو عوام و خواص میں متعارف کرانے کے لئے بہت زیادہ وقت صرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تب جا کر اس اصطلاح کا مفہوم کسی حد تک لوگوں کے سامنے آنے کا امکان ہوتا ہے۔ تو کیوں نہ ہم اس اصطلاح کو لوگوں کے سامنے رکھیں جس کے زبان پر آتے ہی نہ چرچل سامنے آتا ہے' نہ لینن سامنے آتا ہے' نہ ذوالفقار علی بھٹو سامنے آتا ہے اور نہ ضیاء الحق سامنے آتا ہے بلکہ جب یہ اصطلاح زبان پر آتی ہے تو آنکھوں کے سامنے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا چہرہ گھوم جاتا ہے اور یہ تاثر کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی کہ اسے نظر انداز کردیا جائے۔

مجھے کہا گیا ہے کہ میں ایران کے موجودہ نظام کا تقابل نظام خلافت سے کروں تو میں سمجھتا ہوں کہ نعرہ خلافت سے ایک خیر کا پہلو برآمد ہوسکتا ہے وہ اس طرح کہ اہل سنت اور اہل تشیع اخلاص اور سوز کے ساتھ اگر غور فرمائیں تو تحریک خلافت مسلمانوں کے دو بڑے دھڑوں کے درمیان رابطے اور واسطے کا کام دے سکتی ہے۔ باضابطہ طور پر شیعہ کا لفظ اس وقت سامنے آیا جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت منعقد ہوئی۔ اس

> آغا خمینی کی وفات کا اعلان علی خامنائی کے باقاعدہ انتخاب کے بعد کیا گیا اور ٹھیک وہی صورت سامنے آئی جو خلافت کے انعقاد کے وقت پیش آئی تھی۔

وقت سے امت میں دو گروہ وجود میں آگئے جو آج تک چلے آرہے ہیں۔ ہمارے یعنی اہل سنت کے نزدیک اسلامی ریاست کے قیام اور بحالی خلافت کا ایک نقشہ ہے اور ہمارے سامنے خلفائے راشدین کی شکل میں ایک پورا طریق کار موجود ہے جسے خلافت راشدہ کہا جاتا ہے جبکہ اہل تشیع کے ہاں امامت کا مخصوص تصور ہے جس میں معصومیت بھی ہے' موروثیت بھی ہے اور نسلیت بھی رائج ہے۔

اہل تشیع کتابی طور پر اہل سنت سے لڑتے جھگڑتے رہے کہ ہم بندوں کو امام یا خلیفہ کے انتخاب کا حق دیں گے تو وہ جب چاہیں اسے معزول بھی کرسکیں گے کہ جس کو انتخاب کرنے کا حق ہوتا ہے اسے حق عزل بھی حاصل ہوتا ہے لیکن ہمارے امام کو چونکہ خود خدا ہی نامزد کرتا ہے لہٰذا اسے دنیا کا کوئی آدمی معزول بھی نہیں کرسکتا' گدی سے ہٹا بھی نہیں سکتا۔ گویا تصور امامت کی ایک پوری تھیالوجی وجود میں آگئی۔ اہل تشیع اپنی بات پر اڑے رہے اور ہم اہل سنت نے اپنی بات پر محض اصرار نہیں کیا بلکہ وہ تاریخ کے تجربے سے یہ ثابت کرتے رہے کہ جب بھی اسلامی ریاست قائم ہوگی اس میں اسلامی حکومت کے قیام کا مرحلہ آئے گا تو طریق خلافت کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ کار قابل عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

صدیوں بعد خالص شیعی نقطہ نظر کے حامل علماء کی قیادت میں جب ایران میں تبدیلی آئی تو اسے ایرانی انقلاب کا نام دیا گیا اور واقعہ اس نے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔ اس انقلاب کے بعد اہل تشیع سے ہماری خواہش

اور توقع ہوگی کہ وہ لفظی گورکھ دھندے میں نہ الجھیں اور اس پر اصرار نہ کریں اور اہل سنت بھی اس چیز کو ضد نہ بنائیں بلکہ ہمدردی کے ساتھ ' دلسوزی کے ساتھ اس بات پر غور کریں کہ اہل تشیع نہ چاہتے ہوئے بھی ایک حوالے سے ہمارے قریب آرہے ہیں ضرورت ہے کہ ہم ان کو یہ باور کرائیں کہ تم نہ چاہتے ہوئے بھی اس طریقے کو قابل عمل سمجھتے ہو جس کو اہل سنت چودہ سو سال سے قابل عمل سمجھتے آرہے ہیں اور یہی بات اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین پل کا کام دے سکتی ہے۔

ایرانی انقلاب کے نتیجے میں جب امامت کے تصور کو عملی طور پر آزمانے کا موقع آیا تو پھر معصومیت کا ' موروثیت کا اور نسلیت کا سارا تصور ختم ہوگیا شیعی ذہنیت میں یہ چیز بڑی اہمیت کی حامل تھی کہ امام مہدی سے پہلے اسلامی حکومت قائم نہیں ہوسکتی اگرچہ بالفعل حکومت بن سکتی ہے۔ اس تناظر ہی میں وہ حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کو بھی مانتے ہیں اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی حکومت کو بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن حضرت مہدی سے پہلے اسلامی حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔ اس موقف پر بڑے بڑے شیعہ علماء ڈٹے رہے ' آغا شریعت مدار اور آغا شیرازی بھی اسی موقف کے حامل تھے۔ آغا خمینی نے اس موقف کے برعکس یہ نقطہ نظر اپنایا کہ امام مہدی کے آنے سے قبل بھی اسلامی حکومت قائم کی جاسکتی ہے۔ آغا خمینی کی دلیل یہ تھی کہ جو انہوں نے اپنی کتاب " الحکومت الاسلامیہ " میں لکھی ہے کہ کیا تم امام مہدی کے انتظار میں اپنی نماز باجماعت ملتوی کرسکتے ہو؟ ظاہر ہے اہل تشیع کے ہاں بھی نماز باجماعت کا نظام موجود ہے اگرچہ جس شخص کو ہم امام کہتے ہیں اسے وہ احتیاطاً پیش نماز کہتے ہیں ' کہ نماز کا اصل امام وہ امام مہدی ہی کو سمجھتے ہیں۔ آغا خمینی کا استدلال یہ تھا کہ جب تم اپنی فرض نماز کی جماعت امام مہدی کے آنے تک ملتوی نہیں کرسکتے تو اسلامی نظام حکومت کا قیام کیسے ملتوی رکھا جاسکتا ہے۔؟

بہرحال آغا خمینی کا نقطہ نظر ہی عمل کی دنیا میں کامیاب رہا اور ایران میں اس کی روشنی میں باقاعدہ نظام حکومت قائم ہوگیا۔ ایران میں ایک اور اہم بات ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ آغا خمینی کی زندگی ہی میں ولی فقیہ کے جانشین کا مسئلہ سامنے آیا کہ آغا خمینی کے بعد ولی فقیہ کون ہوگا؟ حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ ' حضرت حسینؓ حضرت امام زین العابدینؒ اور حضرت باقرؒ وغیرہم کا سلسلہ امامت نسلیت کے تصور پر قائم ہے لیکن ایران میں جب آغا خمینی کی جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا تو آغا خمینی نے آغا منتظری کو نامزد نہیں کیا بلکہ " مجلس خبرگان " میں ولی فقیہ کا انتخاب عمل میں آیا ۔ اس انتخاب سے نسلیت کا تصور بھی عملاً ختم ہوگیا جس کی رو سے حضرات سادات کے علاوہ کوئی امام نہیں بن سکتا۔ آغا منتظری جنہیں نائب امام کے منصب کے لئے منتخب کیا گیا' وہ غیر سید تھے اور شیخ فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ جب اہل تشیع کو عمل کی دنیا میں باقاعدہ ایک نظام تشکیل دینا پڑا تو انہوں نے امامت کے تصور کو چھوڑ کر خلافت کے تصور کو ہی اختیار کیا۔

اہل سنت کے نظریہ خلافت میں لوگوں کے مشورے سے خلیفہ کا انتخاب ہوتا ہے ' اس میں ذات پات کی قید بھی نہیں ہوتی ' اس میں موروثیت کا بھی کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ موجود الوقت احوال و ظروف اور تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر ہی کوئی نظام حکومت بن بھی سکتا اور چل بھی سکتا ہے اگرچہ کتابی علم اپنی جگہ کتنا ہی جاندار کیوں نہ ہو۔ اہل تشیع کی طرف سے ہمیشہ سے ایک جذباتی بات کی جاتی رہی ہے ' یہ کہ نبی اکرمؐ کے جسد مبارک کی ابھی تدفین کا مرحلہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا اور حضرت علیؓ اور دیگر اہل خانہ حضورؐ کی میت کے پاس موجود تھے جبکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خلافت و حکومت کے حصول کے لئے لڑ رہے تھے۔ ٹھیک چودہ سو سال بعد تاریخ نے پھر اس بات کا مشاہدہ کیا ہے ' اس مثال اور واقعے کو دھرایا ہے ' یہ کہ خمینی کی وفات اور ولی فقیہ کے انتخاب کے وقت ٹھیک وہی نقشہ سامنے آیا جو حضرات صحابہ نے اختیار کیا تھا۔ آغا خمینی کی تدفین کا معاملہ بعد میں عمل میں آیا جبکہ علی خامنائی کا انتخاب پہلے ہوا بلکہ علی خامنائی کے باقاعدہ انتخاب کے بعد ہی سرکاری طور پر آغا خمینی کی وفات کا اعلان کیا گیا اور ٹھیک وہی صورت سامنے آئی جو خلافت کے انعقاد کے وقت پیش آئی تھی۔

اس واقعے سے یہ بات عملی طور پر ثابت ہوچکی ہے کہ جس طریق کار کو شیعہ حضرات آج تک قابل عمل سمجھتے رہے ہیں ' اسے وہ عملی طور پر بروئے کار نہیں لاسکے ہیں۔ چنانچہ اب عملاً یہ ثابت ہوچکا ہے کہ دنیا میں جب اور جہاں کہیں اسلامی نظام حکومت قائم ہوگا وہ نظام امامت ' معصومیت ' موروثیت یا نسلیت کی بنیاد پر قائم نہیں ہوگا بلکہ وہ نظام خلافت ہی کی بنیاد پر قائم ہوگا۔ اس بات کا اب تو اہل تشیع کو عملاً تجربہ ہوچکا ہے جبکہ اہل سنت پہلے سے ہی یہ کہتے آرہے ہیں کہ خلافت کی طرز پر ہی ہم قابل عمل نظام تشکیل دے سکتے ہیں۔ اہل سنت کا تو یہ عقیدہ ہے کہ خلافت کا نظام ہی ہمارا آئیڈیل ہے ' خلفاء راشدین ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ تحریک خلافت اور نظام خلافت کی بات اللہ نے چاہا تو مزید آگے بڑھے گی اور مجھے توقع ہے کہ۔

جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہوں گے
وہ تو وہ بت بھی کسی روز مسلماں ہوں گے

کوپن برائے سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریداری

میں ہفت روزہ "ندائے خلافت" کا سالانہ/ششماہی/سہ ماہی خریدار بننا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔ براہ مہربانی درج ذیل پتہ پر پرچہ جاری کردیجئے۔ زر تعاون کی رقم مبلغ-------- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

نام .....

پتہ.....

نوٹ:(رقم ہفت روزہ "ندائے خلافت" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتے پر ارسال کی جائے)

دور و نزدیک سے

غازی محمد وقاص

تحریک خلافت پاکستان کی سرگرمیوں کے ایک گوشے کی رپورٹ

خلافت کانفرنس کے عنوان سے پہلا جلسہ ۱۰ر ستمبر ۹۱ کو فیصل آباد کی مشہور جلسہ گاہ دھوبی گھاٹ میں کیا گیا جس میں ڈھائی ہزار کے لگ بھگ افراد نے شرکت کی تھی۔ بعدازاں مختصر وقفوں سے باغ بیرون موچی دروازہ لاہور' سپورٹس گراؤنڈ ملتان' کمیٹی چوک پارک راولپنڈی' شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ' جامع القرآن لاہور' فوارہ چوک گجرات' ڈیرہ اسماعیل خاں' کوہاٹ' بنوں' سویکارنو چوک پشاور اور کراچی کی تین جامع مساجد میں جلسے منعقد کئے گئے۔ ان جلسوں کی تفصیلی کارروائی "ندا" اور "میثاق" میں شائع ہوتی رہی ہے۔ جلسوں کا یہ سلسلہ الحمد للہ تاحال جاری ہے۔ گذشتہ پندرہ روز کے دوران تین مقامات پر جلسے منعقد ہوئے جن کی کسی قدر تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

انجینئر مختار حسین فاروقی جو ہمارے فعال رفقاء میں سے ہیں' اپنی ملازمت کے سلسلے میں کچھ عرصہ صادق آباد میں مقیم رہے ہیں۔ وہ صادق آباد اور رحیم یارخان میں دروس قرآن کے حوالے سے کافی معروف ہیں۔ ان کی خواہش پر مذکورہ دونوں شہروں میں نظام خلافت کے حوالے سے جلسے کرنے کا پروگرام طے ہوا۔ یہ پروگرام محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت تحریک خلافت کے معمول کے دورہ کراچی کے ساتھ اس طرح منسلک کیا گیا تھا کہ کراچی جاتے ہوئے رحیم یارخان میں ایک پریس کانفرنس ہو جائے اور صادق آباد میں جلسہ کر لیا جائے اور کراچی سے واپسی پر رحیم یارخان میں جلسہ خلافت ہو۔ پروگرام کے مطابق ۹ر جنوری کو صبح دس بجے پریس کلب رحیم یارخان میں محترم دامت تحریک نے تحریک خلافت کے منشور کے نکات کی وضاحت کی۔ تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب جناب عبدالرزاق ناظم تحریک خلافت بھی اسی وقت لاہور سے رحیم یارخان پہنچے اور پریس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ مقامی اور قومی اخبارات کے تمام صحافی اور دیگر دانش ور حضرات کثیرتعداد میں موجود تھے۔ انہوں نے بعض نکات کی مزید وضاحت کے لئے سوالات کئے جن کا تسلی بخش جواب دیا گیا۔ نظام خلافت کے قیام کی ضرورت کو تو سب محسوس کر رہے تھے لیکن اس نظام خلافت کا نقشہ کیا ہو اور پھر یہ قائم کیسے ہو گا' اس کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں کافی اشکالات ہیں جنہیں ڈاکٹر صاحب محترم دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ پروگرام کافی بھرپور رہا۔ امید ہے کہ صحافی حضرات جن کی تحریروں سے عوام الناس کی کثیر تعداد استفادہ کرتی ہے' اپنے قلم کو نظام خلافت کی برکات کے اظہار کے لئے استعمال کریں گے۔

بعد نماز مغرب صادق آباد تحصیل بازار کی جامع مسجد میں محترم ڈاکٹر صاحب نے نظام خلافت کے خدوخال اور اس کی برکات کے حوالے سے مفصل خطاب فرمایا۔ یہاں رفقائے تنظیم نے وقت کی کمی کے باوجود کافی تیاری کر لی تھی اور ہینڈ بل بھی تقسیم کئے گئے لیکن دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باعث اعلان عام کا پروگرام نہ کیا جا سکا جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو پروگرام کا علم ہی نہ ہو سکا۔ بہرحال ڈیڑھ دو سو نمازیوں نے پوری دلجمعی کے ساتھ داعی تحریک کا ایک گھنٹہ کا خطاب سنا۔ نظام خلافت کے خدوخال کی وضاحت پر مشتمل چار ورقہ شرکاء میں تقسیم کیا گیا۔

اس پروگرام کے بعد رات ہی کو امیر محترم' ڈاکٹر عبدالخالق اور عبدالرزاق صاحب بذریعہ ٹرین کراچی روانہ ہو گئے جہاں ڈاکٹر صاحب کے خطاب جمعہ کے علاوہ تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کا دو روزہ مشاورتی اجتماع بھی رکھا گیا تھا۔ اس اجتماع سے فراغت کے بعد ۱۲ر جنوری کو نماز مغرب کے بعد معاونین تحریک خلافت کراچی کا ایک اجتماع ایک مقامی ریسٹورنٹ میں رکھا گیا جس میں کثیر تعداد میں معاونین تحریک خلافت نے شرکت کی۔ رفقاء تنظیم بھی کافی تعداد میں شریک ہوئے۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد ناظم تحریک خلافت نے تحریک کی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی۔ پھر معاونین تحریک میں سے کئی ساتھیوں نے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا اور تجاویز اور مشورے دیئے جن کو نوٹ کر لیا گیا۔ کچھ سوالات بھی کئے گئے جن کا اطمینان بخش جواب آخر میں محترم داعی تحریک نے اپنے خطاب کے دوران دیا۔ پروگرام کے اختتام پر شرکاء کی پرتکلف چائے کے ساتھ تواضع کی گئی۔ یہاں یہ وضاحت مناسب ہو گی کہ ریسٹورنٹ میں علیحدہ میٹنگ ہال اور تواضع کا اہتمام فوسٹرز ریسٹورنٹ کے مالکان کی جانب سے رضاکارانہ کیا گیا تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس تعاون علی البر کو قبول فرمائے اور اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ اس پروگرام سے فارغ ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب اور ان کے دونوں رفقاء ریلوے اسٹیشن پہنچے اور رات بھر سفر کر کے ۱۳ر جنوری صبح ۸ بجے رحیم یارخان پہنچ گئے۔

رحیم یارخان میں مختار حسین فاروقی صاحب اور محمد اشرف وصی صاحب نائب ناظم حلقہ جنوبی پنجاب گذشتہ چار روز سے اپنے دیگر رفقاء و احباب کے ہمراہ جلسے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جاوید اختر نے بھی جو تنظیم اسلامی کے مرکزی دفتر کے کارکن ہیں اور جن کا آبائی شہر رحیم یارخان ہے' جلسے کے انتظامات کے سلسلے میں دن رات محنت کی۔ علاوہ ازیں صادق آباد سے بھی رفقاء تنظیم نے یہاں آکر جلسے کے انتظامات میں ہاتھ بٹایا۔ رحیم یارخان کی معروف سماجی شخصیت جناب غلام اکبر رانا جو رحیم یارخان میں تحریک خلافت کے معاون اول بنے' جلسہ کے انعقاد' اس کے انتظامات اور اس کی پبلسٹی میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بھرپور تعاون کیا۔ رحیم یارخان کی ایک اور معروف شخصیت ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے بھی معاونین تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی اور جلسہ کے انعقاد کے ضمن میں دامے درمے اور سخنے ہر طرح سے تعاون کیا۔ رحیم یارخان کے ایک اور اہم سماجی کارکن جناب خالد بشیر نے بھی جلسے کے انتظامات میں بھرپور تعاون فراہم کیا۔

رات کا جلسہ موسم سرما کی شدت کے باوجود بہت بھرپور رہا۔ یہ جلسہ جگنو چوک کے قریب مین روڈ پر کیا گیا تھا۔ محتاط اندازے کے مطابق حاضری پانچ صد سے زائد تھی۔ تمام سامعین نے دل جمعی

کے ساتھ داعی تحریک کا خطاب سنا جو سوا دو گھنٹے تک جاری رہا۔ سامعین کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ شدید سردی اور خطاب کے طویل ہونے کے باوجود تمام شرکاء آخری وقت تک گوش برآواز رہے۔ جلسہ کے اختتام پر شرکاء کو تحریک خلافت کے معاون بننے کی دعوت دی گئی جس کے نتیجے میں ساٹھ افراد نے اسی وقت عہد نامہ تعاون کے فارم پر کر کے ہمیں لوٹائے۔

نماز عشاء قریبی مسجد میں باجماعت ادا کی گئی۔ بعد ازاں سوال و جواب کی نشست بھی منعقد ہوئی۔ اسی رات ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی اور مختار حسین فاروقی صاحب بذریعہ بس لاہور روانہ ہوئے جب کہ ڈاکٹر صاحب محترم کے ہمراہ ناظم تحریک' عبدالرزاق صاحب اور محمد اشرف وصی صاحب نائب ناظم حلقہ جنوبی پنجاب بذریعہ تیز گام رات تین بجے روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب محترم تو لاہور کے لئے روانہ ہوئے تھے جب کہ ان کے دونوں ساتھی ۱۴ر جنوری علی الصبح ملتان اتر گئے جہاں اسی دن شام کو معاونین تحریک خلافت ملتان کا اجتماع بلایا گیا تھا۔

بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی ملتان کے نئے تعمیر شدہ ہال میں تلاوت قرآن مجید سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد ڈاکٹر طاہر خاکوانی امیر تنظیم اسلامی ملتان نے خلافت کے حقیقت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں تنظیم اسلامی ملتان کے معتمد جناب سعید اظہر صاحب نے خلافت کی اہمیت و ضرورت پر اظہار خیال کیا۔ معاونین تحریک خلافت نے بھی مختلف تجاویز اور مشوروں سے نوازا اور آخر میں ناظم تحریک خلافت نے تحریک کی سرگرمیوں کی رپورٹ اور آئندہ کے لائحہ عمل پر روشنی ڈالی۔

۱۵ر جنوری کو لاہور میں معاونین تحریک خلافت لاہور کا اجتماع برکت علی اسلامیہ ہال میں طے تھا۔ چنانچہ بعد نماز مغرب تلاوت قرآن مجید سے اجتماع کا آغاز کیا گیا جس کے بعد جناب اقبال حسین صاحب نے خلافت کی حقیقت و اہمیت پر گفتگو کی۔ ان کے بعد جناب مرزا ایوب بیگ صاحب نے موجودہ عالمی و ملکی حالات کے تناظر میں نظام خلافت کے قیام کی ضرورت پر مفصل خطاب کیا۔ معاونین تحریک میں سے کئی ساتھیوں نے اظہار خیال کے ساتھ بہت سی مفید تجاویز اور مشوروں سے نوازا۔ آخر میں ناظم تحریک' عبدالرزاق صاحب نے تحریک خلافت کے وسیع پیمانے پر تعارف کے ضمن میں معاونین کو بعض عملی تدابیر اختیار کرنے کی جانب توجہ دلائی۔

۱۷ر جنوری بروز جمعہ سرگودھا شہر کی مشہور جلسہ گاہ کمپنی باغ میں جلسہ خلافت طے تھا۔ اس جلسے کا اہتمام تنظیم اسلامی حلقہ غربی پنجاب نے کیا۔ جلسے کی پبلسٹی کے لئے پورے شہر میں پوسٹرز' ہینڈ بلز اور بینرز کے علاوہ اعلان عام کا بھی مناسب انتظام کیا گیا تھا بڑی تعداد میں رکشوں کے پیچھے چھوٹے بینر لگا کر جلسے کے انعقاد کی اطلاع عوام تک پہنچائی گئی۔ پبلسٹی اور جلسے کے تمام انتظامات فیصل آباد اور سرگودھا کے رفقاء تنظیم نے بڑی محنت اور جانفشانی سے انجام دیئے۔ جلسہ کے لئے جمعہ المبارک کے دن صبح دس بجے کا وقت طے تھا چنانچہ رفقاء جلسے کے انتظامات کے لئے نماز فجر کے وقت ہی کمپنی باغ میں پہنچ گئے۔ فیصل آباد کے دس رفقاء کا ایک گروپ سیکورٹی کے پیش نظر رات بھر جلسہ گاہ میں ڈیوٹی دیتا رہا۔ وقت مقررہ سے قبل ہی تمام انتظامات مکمل کر لئے گئے تھے۔ جلسہ گاہ کو تحریک خلافت کے دس نکات پر مشتمل بینرز سے مزین کیا گیا تھا۔

دس بجے جلسے کی کارروائی کا تلاوت قرآن مجید سے آغاز کیا گیا۔ تلاوت کے بعد چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے انفرادی حیثیت میں خلیفہ ہونے کے تقاضے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ نظام خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کرنے والے کارکنوں کو اپنی ذات میں اللہ کا خلیفہ بننا ہو گا اور اپنے دائرہ اختیار میں اللہ کے احکام کو نافذ کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت فراہم کرنا ہو گا۔ مرزا ندیم بیگ صاحب نے حکومت کے خلاف شریعت اقدامات پر تنقید کرتے ہوئے متنبہ کیا کہ حکومت کو سودی نظام ختم کرنے کے سلسلے میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپنے پروردہ مسلم کمرشل بنک کے ذریعے اپیل دائر کرنے سے باز رہنا چاہئے۔ جناب شمس الحق اعوان صاحب نے نظام خلافت کے موضوع پر اپنا کلام سنایا۔

آخر میں تحریک خلافت کے داعی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے نظام خلافت کے مختلف گوشوں پر مفصل خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے آیات قرآنیہ اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالوں سے عالمی خلافت اسلامیہ کے قیام کا مژدہ سنایا اور فرمایا کہ مسلمانوں کی گذشتہ چار سو سال کی تاریخ کے جائزے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برصغیر پاک و ہند کو نظام خلافت کے احیاء کے لئے پسند فرمایا ہے۔ انہوں نے دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ گذشتہ چار سو سالوں کے دوران عالم اسلام کی تمام بڑی شخصیات برصغیر پاک و ہند میں پیدا ہوئی ہیں۔ گیارہویں صدی میں مجدد اعظم شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی کی شخصیت بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسی جامع الصفات شخصیت' تیرہویں صدی میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید اور ان کی تحریک شہیدین' چودھویں صدی میں مولانا محمود الحسنؒ جیسی سیماب وش شخصیت اور دارالعلوم دیوبند کی عظیم تحریک' مولانا الیاسؒ جیسا مبلغ دین اور تبلیغی جماعت' مولانا ابوالکلام آزاد جیسا داعی قرآن' مولانا مودودی جیسا بلند پایہ مصنف و داعی اور علامہ اقبال جیسا مفکر و شارح قرآن سب سے بڑھ کر یہ کہ پاکستان بھی اسی برصغیر کا وہ ملک ہے جو صرف اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تمام واقعات محض اتفاق قرار نہیں دیئے جا سکتے بلکہ یہ اس بات کی جانب واضح اشارے معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ کی حکمت میں اس علاقے کے لوگوں کو کوئی اہم کردار ادا کرنا ہے۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

انہوں نے مزید فرمایا کہ جب تک سودی معیشت پر مبنی جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام جڑ سے اکھاڑ کر نظام خلافت قائم نہیں کیا جاتا اس وقت تک ہمارے مسائل میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ نظام خلافت واحد الہامی نظام حیات ہے جو تمام انسانوں کی بنیادی ضروریات غذا' لباس' رہائش' علاج' تعلیم وغیرہ کی ضمانت فراہم کرتا ہے بلکہ دیگر تمام مسائل کو بھی عدل و انصاف کے ساتھ حل کرتا ہے۔ محترم داعی تحریک نے لوگوں کو دعوت دی کہ آیئے تحریک خلافت کے پلیٹ فارم سے مل جل کر اس باطل نظام کو ختم کر کے نظام خلافت کے قیام کی راہ ہموار کریں۔

خطاب ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا جسے چھ سو سے زائد حاضرین نے پورے انہماک سے سنا۔ آخر میں تحریک خلافت کے خدوخال پر مشتمل چار

باقی صفحہ ۱۸ پر

ابو عمیر مہرانی

اسلام کے سیاسی نظام کا ایک خاص نام ہے

ایک قابل احترام دانشور کی خدمت میں چند وضاحتیں

روزنامہ جنگ کی ۲۴ دسمبر کی اشاعت میں ڈاکٹر محمد امین صاحب کا مضمون بعنوان "نظام خلافت" نظر سے گزرا۔ فاضل مضمون نگار نے خلافت کے مفہوم، مختلف ادوار میں اس کی ہیئت اور مستقبل میں احیاء اسلام کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے جس کے مطالعہ سے مجموعی طور پر جو تاثر ملتا ہے وہ تین بڑے بڑے اشکالات پر مشتمل ہے۔

۱- زمین میں انسانی خلافت کا اس سیاسی نظام سے کیا کوئی تعلق نہیں جو مسلمانوں میں خلافت کے نام سے (کسی بھی دور میں) رائج رہا ہے؟

۲- خلافت کے ادارے کو کیا کوئی شرعی تقدس حاصل نہیں اور کیا اس کی کوئی شرعی حیثیت بھی نہیں؟

۳- اب اگر اسلام کی سیاسی تعلیمات کو جدید ریاستی اداروں کی صورت میں ڈھالا جائے تو ضروری نہیں کہ اس کے لئے خلافت ہی کی اصطلاح استعمال کی جائے بلکہ خلافت، اسلامی جمہوریت اور شورائیت وغیرہ میں سے کوئی بھی اصطلاح استعمال کی جاسکتی ہے! ان پر فاضل مضمون نگار کی پیش کردہ آراء سے اتفاق کرنا تاریخ اسلامی کے ایک روشن باب کی نفی اور مسلمانوں کے ایک عظیم ورثہ کا ابطال ہے۔

ہماری دانست میں صاحب مضمون نے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۳۰ کے حوالے سے اپنے مضمون سے جو تانا بانا جوڑا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو زمین میں خلیفہ یعنی با اختیار جانشین اور نائب بنا کر بھیجا ہے خواہ وہ اطاعت کا راستہ اختیار کرے یا نہ کرے۔ اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں۔ اس آیہ مبارکہ کی روشنی میں بات اس حد تک تو درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو محدود اختیار (یا خلافت) دے کر زمین میں بھیجا ہے اور اس اختیار کا استعمال بھی اس کی مرضی پر چھوڑا لیکن انسان کی "خلافت ارضی" کے وسیع معانی و مفاہیم کو یکسر نظر انداز کر کے ایک جزوی معنی تک محدود کردینا قرین انصاف نہیں۔

لفظ خلافت جس کا مادہ خ ۔ ل ۔ ف ہے، قرآن پاک میں تین مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ سیاق و سباق سے ہی پتہ چلتا ہے کہ کہاں یہ لفظ کس معنی میں استعمال کیا جارہا ہے۔ اس لفظ خلافت کے ایک معنی ہیں "اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے اختیارات کا حامل ہونا (البقرہ ۳۰، الانعام ۱۶۶) اس معنی میں پوری اولاد آدم زمین میں خلیفہ ہے اس کے دوسرے معنی ہیں "اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے امر شرعی (نہ کہ صرف تکوینی) کے تحت اختیارات خلافت کو استعمال کرنا" (النور ۵۵، ص ۲۶، الفاطر ۳۹) ۔ اس معنی میں صرف مومن صالح ہی خلیفہ قرار پاسکتا ہے کیونکہ وہی خلافت کا صحیح حق ادا کرتا ہے اور اس کے برعکس کافر و فاسق خلیفہ نہیں بلکہ باغی ہے کیونکہ وہ مالک کے ملک میں اس کے دئے ہوئے اختیارات کو نافرمانی اور بغاوت میں استعمال کرتا ہے تیسرے معنی ہیں "ایک دور میں ایک غالب قوم کی جگہ دوسری قوم کا اسکی جگہ لینا" (یونس ۱۴، اعراف ۶۹، النمل ۶۲)۔

مذکورہ بالا پہلے دونوں معانی خلافت بمعنی "نیابت" کے مظہر ہیں اور آخری میں خلافت بمعنی "جانشینی" آتی ہے۔ اس لفظ کے یہ سب معنی لغت عرب میں معلوم و معروف ہیں لیکن فاضل مضمون نگار نے اس لفظ کے مذکورہ معانی میں صرف پہلے معنی کو اختیار کر کے خلافت سے مراد صرف وہ نیابت لی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو ان کی انفرادی زندگی میں دی ہے۔ جبکہ قرآن عزیز میں دوسرے مقامات پر بیان کی گئی خلافت کی دوسری اقسام سے دانستہ اعراض ہی نہیں کیا بلکہ اپنی قائم کردہ رائے کو درست ثابت کرنے کے لئے خلافت راشدہ تک کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ "استخلاف فی الارض" ماننے سے انکار دیا۔ آپ لکھتے ہیں "زمین میں انسانی خلافت کے اس تصور کا اس سیاسی نظام سے کوئی تعلق نہیں جو مسلمانوں میں خلافت کے نام سے رائج رہا ہے"

معلوم نہیں مقالہ نگار قرآن حکیم کی آیات بینات، اقوال رسولؐ اور تاریخ اسلامی کی بے غبار شہادت سے کس طرح صرف نظر کر گئے۔ ارشاد ربانی ہے "اے داؤدؑ ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ (حاکم) بنایا ہے لہٰذا آپ لوگوں کے درمیان حق (انصاف) کے ساتھ حکومت کریں" (ص، ۲۶) اس آیہ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو انفرادی خلافت کے ساتھ ساتھ ایک دوسری خلافت بھی عطا فرمائی جو لوگوں پر حکومت کی صورت میں تھی اور آپ کو ہدایت فرمائی گئی کہ امور خلافت اور معاملات مملکت حاکم اعلیٰ اللہ رب العزت کے احکام کے مطابق ہی چلائے جائیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے "اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند فرمایا ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو

شریک نہ کریں جو اس کے بعد کفر کریں تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں "(النور ۵۵)

ان آیات قرآنی سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ایک خلافت (انفرادی) تو وہ ہے جو ہر انسان کو دی گئی جبکہ ایک خلافت (اجتماعی) وہ ہے جو اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام ملی جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرما رکھا تھا اور یہ وعدہ خلافت آئندہ کے لئے بھی اسی طرح قائم ہے۔ اس کے لئے کڑی شرائط رکھی گئی ہیں کہ وہ ایمان اور اعمال صالح سے لیس ہوں' بندگی صرف اسی رب العالمین کی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان شرائط کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں استخلاف و تمکن فی الارض ایسا عطا فرمایا کہ بحر اوقیانوس سے دریائے جیحوں تک اسلام ہی کا پرچم حق لہراتا تھا۔ یہ سب اللہ کی نصرت و مدد کا نتیجہ تھا اور اللہ کی طرف سے اپنے صالح بندوں سے کئے گئے وعدہ کی تکمیل تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جس نظام خلافت کا آغاز ہوا' وہ کوئی نیا یا روایتی نظام نہ تھا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نیابت ارضی تھی جو پہلے نبوت کی شکل میں قائم تھی اور نبوت کا دروازہ بند ہوجانے کے بعد "خلافت علی منہاج النبوۃ کے نام سے جاری ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک بھی اسی ضمن میں ہماری رہنمائی فرماتا ہے۔ " حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مسلمانو! تمہارے درمیان نبوت رہے گی' جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ دور نبوت کو جب چاہے گا اٹھا دے گا۔ پھر خلافت علی منہاج النبوت کا دور آئے گا جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ جب چاہے گا اسے بھی اٹھا دے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی حکومت کا دور ہوگا' یہ دور بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ اس دور کو بھی ختم کر دے گا۔ پھر مجبوری کی حکومت کا دور آئے گا۔ یہ دور بھی ختم ہو جائے گا۔ پھر ایک دور آئے گا جب طریق نبوت" پر خلافت کا نظام قائم ہوگا" (مسند احمد)

ایک دوسری مشہور حدیث بھی اس کی شاہد ہے " اے مسلمانو! تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو بھی لازم پکڑو اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو بھی مضبوطی سے تھامو" ان احادیث رسول" سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خلافت راشدہ کی بشارت پہلے سے دے گئے تھے جو آپ" کے وصال کے بعد قائم ہوئی۔ اس خبر صادق کے بعد یہ بات الم نشرح ہوجاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق" کے امیر منتخب ہونے کے بعد محض لوگوں کی طرف سے ان کو خلیفۃ الرسول کہنے سے اس نظام کا نام خلافت نہیں پڑا بلکہ یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے موعودہ استخلاف فی الارض نیز رسول اللہ" کی بشارت کا ظہور تھا۔ دوسری مرتبہ اس خبر صادق کا ظہور ہونا ابھی باقی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ خلافت راشدہ یا بالفاظ دیگر اسلام کے سیاسی نظام کے لئے خلافت کی اصطلاح وہی خلافت ارضی ہے جس کا وعدہ اللہ نے اپنے مومنین و صالحین بندوں سے کر رکھا ہے۔ رہی یہ بات کہ خلافت کے ادارے کو شرعی تقدس حاصل نہیں ہے تو احکام خداوندی اور احادیث نبویہ علی صاحبا الصلوۃ والسلام کی واضح نصوص کے باوجود خلافت کے مقام و تقدس سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔ نیز وہ خلافت جو اللہ سبحانہ' اپنے صالح بندوں کو انعام کے طور پر دے رہا ہو اس کا تقدس تسلیم نہ کرنا کس قدر خسارے کی بات ہے۔

فاضل مضمون نگار نے اپنا سارا زور استدلال خلافت راشدہ کے بعد کے ادوار کی خرابیاں بیان کرنے پر صرف کیا ہے' جبکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد قائم ہونے والی کسی بھی خلافت کو کوئی تقدس حاصل نہیں۔ اسے نہ تو خلافت الرسول" کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی خلافت راشدہ بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے خلافت المسلمین کہہ سکتے ہیں پھر یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ خلافت کی اپنی ایک اہمیت اور مخصوص شرائط ہیں جبکہ خلافت میں در آنے والی برائیاں جن کے باعث وہ ملوکیت اور جبرو استبداد بن جائے' شے دگر ہے۔ اہل اسلام کی بے عملی اور فسق کے باعث اسلام کو تو غلط نہیں کہا جاسکتا۔ خلافت راشدہ کے بعد کا دور مکمل طور پر خرابیوں ہی کی تصویر نہ تھا بلکہ اسی ملوکیت کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسی ہستی بھی ملتی ہے جنہوں نے اپنا دور خلافت کچھ اس انداز تقویٰ سے گزارا کہ عمر" ثانی اور خلیفہ راشد کا لقب پایا۔

دور ملوکیت کی خرابیوں کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ ہم خلافت راشدہ کے عہد زریں تک کو فراموش کردیں۔ اب بھی ہمارے سامنے نظام خلافت کی بات آتی ہے تو آئیڈیل خلافت راشدہ ہی ہے۔ مینارہ نور وہی برکات والا نظام ہے۔ ہمیں بعد کے دور کی خامیوں سے تو برات کا اظہار ضرور کرنا چاہیے لیکن ان خامیوں کے باعث اس نظام ہی سے اعلان برات کردینا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

صاحب مضمون کی تیسری اور آخری بات جو ہمیں کھٹکتی ہے یہ ہے کہ " ہمارے نزدیک یہ سوال غیر اہم ہے کہ اسلام کے صحیح سیاسی نظام کے احیاء کے لئے جو جدوجہد کی جائے اس میں خلافت کی اصطلاح استعمال کی جائے یا اسلامی جمہوریت یا شورائیت کی "ہم بصد ادب و احترام عرض کریں گے کہ لاریب اسلام میں اہمیت کام کی زیادہ اور نام کی کم ہے' لیکن اسلامی اصطلاحات اپنے مفاہیم و مشمولات میں انفرادیت کی حامل ہیں۔ ہم اگر 'وضو' صلوۃ' دعا' استغفار جیسی اصطلاحات کو نہیں بدلتے تو "خلافت" کی قرآنی و نبوی" اصطلاح کو بدلنے کی آخر مجبوری ہی کیا ہے۔ اور کیا امت مسلمہ کی تاریخ اتنی ہی بانجھ ہے کہ ہم اپنے نظام کے لئے دوسروں کی اصطلاحات مستعار لیں۔ علاوہ ازیں ہر اصطلاح کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایسے تصورات وابستہ ہوتے ہیں جو اس کا جزو لاینفک بن جاتے ہیں اور کوشش کے باوجود انہیں ذہنوں سے نکالنا ممکن نہیں ہوتا مثلاً جمہوریت ہی کو لیجئے آپ بے شک اس کے ساتھ اسلامی کا سابقہ لگا کر اسے مشرف بہ اسلام کر لیں لیکن چونکہ جمہوریت کی اصطلاح کے ساتھ حاکمیت عوام کا تصور لازم و لزوم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے' اس لئے اس اصطلاح سے اس تصور کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں بڑے بڑے دانشور اور وکلاء حضرات پارلیمنٹ کی حاکمیت کی بات کرتے ہیں یہاں تک کہ علامہ اقبال کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال بھی بڑے دھڑلے سے یہ کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کی SOVEREIGENTY ہونی چاہیے۔ جبکہ حاکمیت کا لفظ اللہ کے سوا کسی اور کے لئے استعمال کیا جائے گا تو یہ کفر ہے اس کا دعویٰ کرنے والا چاہے فرعون ہو' نمرود ہو یا آج کی پارلیمنٹ ہو' بہتان آزری ہی کہلائیں گے۔ اس لئے جب تک جمہوریت کے لفظ کو ترک نہیں کیا جائے گا اس میں موجود انسانی حاکمیت کے تصور کو نکالنا ممکن ہی نہیں۔ اس مقصد کے لئے ہمیں

خلافت کی قرآنی اور نبویؐ اصطلاح استعمال کرنا ہوگی جو ہماری تاریخ کے بہترین دور' دور خلافت راشدہ کا عنوان بھی ہے۔ یہی وہ اصطلاح ہے جس سے انسانی حاکمیت کا تصور بالکلیہ ختم ہوتا ہے۔

البتہ چونکہ دور ملوکیت کی تلخ یادوں سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے اس لئے خلافت کی بات کرتے وقت یہ وضاحت کرنا ضروری ہوگی کہ یہ خلافت دور ملوکیت کی طرح ظلم و استبداد والی موروثی خلافت نہ ہوگی بلکہ خلافت راشدہ کو آئیڈیل اور مینارہ نور مانتے ہوئے وہاں سے بنیادی اصول لیکر جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اس کی تشکیل کی جائے گی صدیوں کے فصل کے باعث لامحالہ آج کے سیاسی و انتظامی ڈھانچے کے تقاضوں کو اس نظام میں سمونا ہوگا۔ ایسے امور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اور اٹل احکام موجود ہوں وہاں تو سر تسلیم کرنا ہوگا البتہ جن امور کو کھلا رکھا گیا ہو' ان کے لئے قانون سازی مسلمانوں کے منتخب صالح و متقی نمائندوں پر مشتمل پارلیمنٹ ہی کرے گی۔

اسلام کے نظام عدل و قسط بالالفاظ دیگر خلافت اسلامی کے قیام کی جدوجہد ہم پر بحیثیت امت محمد علی صاحبا الصلوٰۃ والسلام فرض ہے۔ دنیا کو آج بھی کسی عادلانہ نظام کی تلاش ہے۔ ہم فاضل مضمون نگار سے اپنے اختلاف رائے کے باوجود ان کے اس جذبہ دینی کی قدر کرتے ہیں جو غلبہ دین حق کے لئے ان کی تحریر سے عیاں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس جذبہ کی نعمت سے مالا مال اصحاب ایک دوسرے کے دست و بازو بنیں اور اپنی تمام تر صلاحیتیں احیاء نظام اسلام و اقامت دین میں کھپا کر دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوں۔

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

بقیہ قدم بقدم

ورقہ تقسیم کیا گیا۔ عہد نامہ تعاون بھی میزوں پر فراہم کیا گیا تھا۔ ساٹھ سے زائد حضرات نے اسی وقت عہد نامہ پر دستخط کر کے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی۔ بعد نماز عصر مقامی ہوٹل میں پریس کانفرنس کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ اس نشست میں تمام مقامی اور قومی اخبارات کے نمائندے موجود تھے۔ داعی تحریک نے تحریک خلافت کے خدوخال پر مفصل تحریک پڑھ کر سنائی اور صحافیوں کے سوالات کے جواب دیئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد' داعی تحریک خلافت و امیر تنظیم اسلامی کے خطابات کے پروگرام

۳۱ر جنوری بروز جمعہ	خطاب جمعہ	۱۱.۳۰ بجے	جامع القرآن قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن
یکم فروری بروز ہفتہ	درس قرآن	۶ بجے شام	قرآن آڈیٹوریم اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن
۲ر فروری بروز اتوار	جلسہ خلافت	بعد نماز مغرب	واہ کینٹ
۴ر فروری بروز منگل	اجلاس مرکزی مجلس عاملہ		قرآن اکیڈمی لاہور
۵ر۶ فروری بروز بدھ ۔ جمعرات	اجلاس مرکزی مجلس مشاورت قرآن اکیڈمی لاہور		
۷ر فروری بروز جمعہ	خطاب جمعہ	۱۱.۳۰ بجے	جامع مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور
۸ر فروری بروز ہفتہ	درس قرآن	۶ بجے شام	قرآن آڈیٹوریم نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

اجتماعات معاونین تحریک خلافت

گوجرانوالہ

۳۰ر جنوری بروز جمعرات — بعد نماز مغرب — جامع مسجد جواہر القرآن ٹرسٹ پلازہ نزد لاری اڈا مین جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

گجرات

۳۱ر جنوری بروز جمعہ — صبح ۹.۳۰ بجے — دفتر تنظیم اسلامی گجرات دارا بلوچاں نزد پرانی جیل گجرات

گلوٹیاں (ضلع سیالکوٹ)

۳۱ر جنوری بروز جمعہ — بعد نماز عصر — گلوٹیاں نزد ڈسکہ

الجزائر کی تازہ ترین صورت حال

الجزائر میں اسلامی نجات پارٹی کی انتخابی کامیابی کے بعد فوج بر سر اقتدار گروہ ' مفاد یافتہ طبقات اور مغربیت زدہ خواص کی نمائندگی کرتے ہوئے خم ٹھونک کر سامنے آگئی ہے ۔ مسلمانوں کو نماز جمعہ کے لئے جمع ہونے سے روکنے کی غرض سے بڑی مساجد پر تالے ڈال دئے گئے تھے جس کی وجہ سے یہ فرض مساجد کے باہر سڑکوں پر صف آراء ہو کر ادا کیا گیا ۔ نماز کے بعد لوگوں کو منتشر کرنے کے لئے فوج نے متعدد مقامات پر ہوائی فائرنگ کی جس کے نتیجے میں کئی اموات بھی ہوئیں۔ اسلامی نجات پارٹی کی قیادت کی طرف سے اپنے حامیوں پر زور دیا جارہا ہے کہ اشتعال میں نہ آئیں جو " غیر قانونی اور ناجائز حکمران" بوضیاف کو پارٹی پر آخری ضرب لگانے کا جواز مہیا کردے گا ۔ حکومت یہ فیصلہ کئے بیٹھی ہے کہ اسلام کی علمبردار جماعتوں بالخصوص اسلامی نجات پارٹی (IS F) کو خلاف قانون قرار دے دیا جائے جس کے لئے اسے کسی بہانے کی تلاش ہے اور بظر ہر حال یہ آتا ہے کہ بہانہ کوئی ملے یا نہ ملے ' یہ قدم چند دنوں کے اندر اندر اٹھا ہی لیا جائے گا۔

اسلامی نجات پارٹی کے اولین دو سربراہ جیل میں ہیں اور انتخابی کامیابی ان کی اسیری کے دوران ہی حاصل کی گئی تھی ۔ قائم مقام رہنما عبدالقادر ہاشانی جن کی قیادت میں پارٹی نے عام انتخابات کا پہلا مرحلہ جیت لیا تھا ' نئی حکومت کے قیام کے چند روز بعد ہی گرفتار کر لئے گئے اور تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اب ان کی جگہ لینے والے رہنما عثمان الشانی کو بھی جیل بھیج دیا گیا ہے ۔ بوضیاف کو اندیشہ ہے کہ احیائے اسلام کی خواہش کے جراثیم اگر فوج میں بھی سرایت کر چکے ہوں تو خانہ جنگی کی کیفیت کا پیدا ہوجانا زیادہ بعید نہیں ۔ اس اندیشے کو مغربی طاقتوں نے بھی محسوس کرلیا ہے جس کا ایک مظہر یہ سامنے آیا ہے کہ امریکہ نے اپنی ترجیحات میں رد و بدل کر کے ایف ۱۶ لڑاکا طیاروں کے دو سکوارڈن قبل از وقت ہمسایہ مسلم ملک مراکش کے حوالے کردئے ہیں جس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ الجزائر کی فوج میں بغاوت کے آثار ہویدا ہوں تو " وفادار" دستوں کو مراکش کی فضائیہ کی فوری مدد حاصل ہوجائے۔

عالم اسلام میں " بنیاد پرستوں " کی یہ پہلی پیش قدمی جو کسی انقلاب کے نتیجے میں نہیں بلکہ نام نہاد جمہوری عمل کے راستے ممکن ہوئی ' جمہوریت کا کلمہ پڑھنے والے مغربی ممالک کے لئے درد سر سے بڑھ کر درد جگر بنتی جارہی ہے ۔ انتخابات کے ذریعے احیائے اسلام کی کوششیں قبل ازیں پاکستان اور مصر میں خود اپنی شکست کی آواز ثابت ہوئیں لیکن الجزائر میں صورت حال بڑی حد تک مختلف ہے ' وہاں دینی قوتوں کے تیور بدلے بدلے سے نظر آتے ہیں اور اس تازہ ترین تجربے کے نتائج میں پوری دنیا میں ابھرتی اسلامی تحریکوں کو اپنے لائحہ عمل کے لئے چشم کشا رہنمائی میسر ہوگی جن کے ظہور میں اب کچھ زیادہ دیر نہیں ۔

الجزائر کا تعارف

الجزائر شمالی افریقہ کا ایک اہم ملک ہے ۔ اس کا رقبہ ۲۳ لاکھ ۸۱ ہزار ۷۴۱ مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی ۲ کروڑ ۴۱ لاکھ ہے ۔ ان میں ووٹروں کی تعداد ایک کروڑ ۳۳ لاکھ ۱۴ ہزار ۷۷۱ ہے۔ ۷۵ فیصد آبادی ۳۰ سال سے کم عمر کے لوگوں پر مشتمل ہے ۔ سرکاری زبان عربی ہے اور فرانسیسی زبان کا بھی غلبہ ہے ۔ تیسری زبان بربری ہے جو جنوبی الجزائر میں زیادہ تر بولی جاتی ہے ۔ ۹۰ فیصد آبادی اہل سنت مسلمانوں پر مشتمل ہے ۔ فی کس آمدنی کا سالانہ اوسط ۱۹۰۰ ڈالر ہے ۔ کام کرنے والی آبادی کا ۵۰ فی صد سرکاری ملازم ہے۔ ۲۳ فی صد بے روزگاری کا شکار ہے۔ خواندگی کا تناسب ۵۰ فی صد ہے گویا ان پڑھ آبادی ۵۰ فی صد ہے۔

الجزائر کی قومی آمدنی ۵۱ ارب ۹۰ لاکھ ڈالر سالانہ ہے ۔ یہ آمدنی ۴۲ فی صد صنعت سے اور ۳۶ فی صد پٹرول اور گیس سے حاصل ہوتی ہے ' باقی زراعت و سیاحت سے ۔ بیرونی قرضے ۲۱ ارب ۷۰ لاکھ ڈالر سالانہ ہیں۔ درآمدات کی میزان ۶ ارب ۷۰ لاکھ ڈالر سالانہ ہے۔ ۴۰ فیصد صنعت میں استعمال ہونے والا خام مال منگوایا جاتا ہے اور ۲۰ فی صد خوردنی سامان ۔ اس کے مقابلے میں برآمدات ۷ ارب ۶۰ لاکھ سالانہ ہوتی ہیں ' ان میں ۹۷ فیصد ہائیڈرو کاربن ہیں ۔

تاریخی پس منظر

الجزائر ۱۸۳۰ء میں فرانس کی کالونی بنا۔ الجزائری عوام نے فرانس سے نجات پانے کے لئے بارہا کوششیں کیں جن میں لاکھوں انسان جام شہادت نوش کرتے رہے۔ ان کے جواب میں فرانس نے الجزائر کو کالونی کے بجائے فرانس کا ایک صوبہ قرار دیدیا اور فرانس سے لاکر یہاں لوگوں کو بسایا گیا تاکہ الجزائر کی پوری تہذیب و ثقافت کو فرانسیسی تہذیب و ثقافت میں مدغم کردیا جائے۔ مگر الجزائر کی بہادر مسلم قوم نے فرانس کے ہتھکنڈوں کو ہر موقع پر ناکام کیا ۔ نومبر ۱۹۵۴ء کو پھر زبردست تحریک آزادی برپا ہوئی جس میں دس لاکھ انسان شہید ہوئے اور ۸ سال کی شبانہ روز جدوجہد کے بعد الجزائر کو ۱۹۶۲ء میں آزادی نصیب ہوئی ۔ یہ تحریک آزادی اسلام کے نام پر برپا ہوئی مگر آزادی کے بعد الجزائر میں قائم ہونے والی حکومتوں نے سب سے زیادہ جس نظریئے کو پامال کیا وہ اسلام تھا۔ فرحت عباس کے بعد بن بلا بر سر اقتدار آیا ' اس کے بعد ہواری بومدین نے فوجی انقلاب برپا کیا اور پھر شاذلی بن جدید نے زمام اقتدار سنبھال لیا۔ ان سب حضرات نے سیکولرازم اور سوشلزم اور فرینکوزم (فرنچ تہذیب و زبان سے وابستگی) کا راستہ اختیار کیا ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم معاشی طور پر تباہ ہوگئی ۔ اس کی اخلاقی و دینی اقدار کا ورثہ شدید آزمائش سے دوچار ہوگیا۔ مگر یہ اس قوم کی اسلام سے پختہ وفاداری ہے کہ اس نے ۲۹ سال کے صبر و تحمل کے بعد پہلے ہی کثیر الجماعتی انتخاب میں لادین اور اشتراکی طاقتوں کو الٹ کر رکھ دیا ۔

موجودہ انتخابی نظام

موجودہ انتخابی نظام دو مرحلوں پر مشتمل ہے ۔ ہر حلقے میں کامیابی کا تناسب ۷ فی صد ہے ۔ جن حلقوں میں کوئی پارٹی یہ تناسب عبور نہ کرسکے ان میں دوسرے مرحلے میں انتخاب کرایا جاتا ہے ۔ یک حزبی نظام میں پارلیمنٹ ۳ سو حلقوں پر مشتمل تھی مگر اب اسے ۴۳۰ حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ عورتوں کو بھی ووٹ کا حق دیا گیا ہے ۔ پہلے قانون کے مطابق ناخواندہ یا معذور مردوں اور عورتوں کو "نمائندہ ووٹ" کا حق تھا' مگر پھر اس قانون کو منسوخ کردیا گیا اور ووٹ ڈالنے والے کے لئے ہر ووٹر کی براہ راست شرکت لازمی قرار دیدی گئی ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۹۱ء کو انتخاب کا پہلا مرحلہ گزر گیا ہے اور اب ۱۶ جنوری ۱۹۹۲ء کو دوسرے مرحلے کا انتخاب ہوگا ۔ یہ ان حلقوں میں ہوگا جن میں پہلے مرحلے میں کسی بھی پارٹی نے مطلوبہ تناسب حاصل نہیں کیا ۔ انتخاب کی نگرانی عدلیہ نے کی ہے ۔ اور الجزائر کے وزیراعظم احمد غزالی نے پہلے مرحلے کے انتخابات کے بارے میں تسلیم کیا ہے کہ انتخاب آزادانہ اور بے لاگ طریقے سے ہوا ہے ۔ صرف ۵۰ مقامات پر الیکشن بیشن و چھ شکایات موصول ہوئی ہیں ۔

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

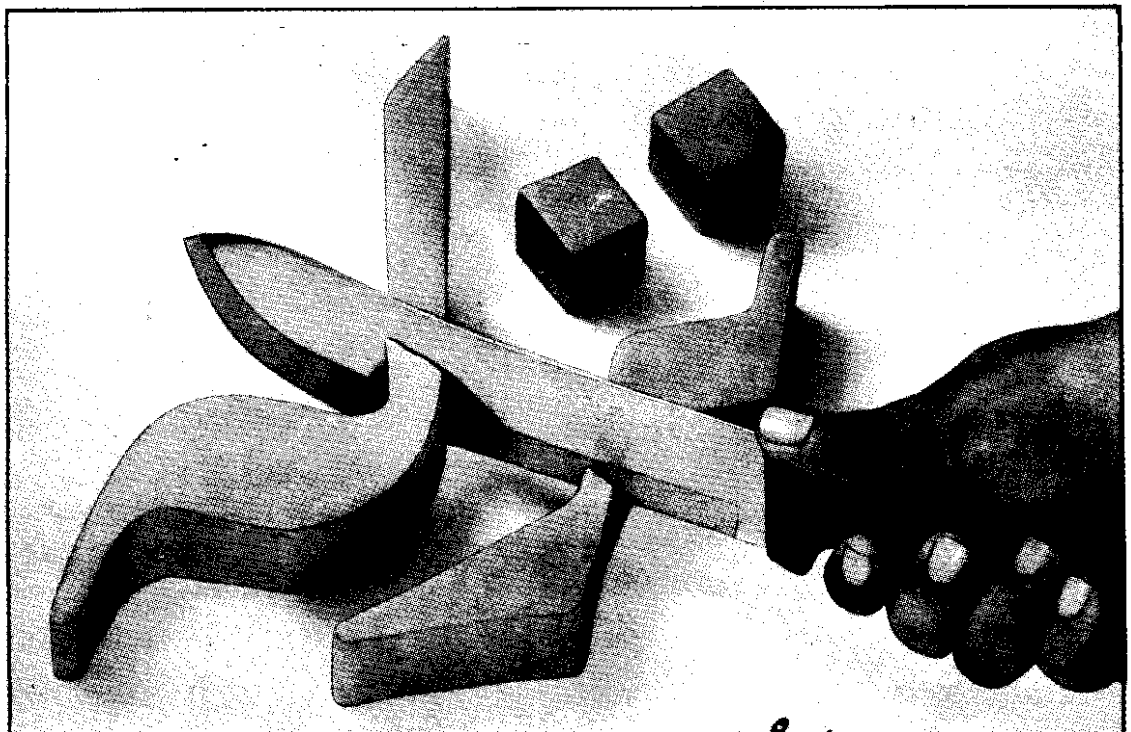

نزلہ کُشتن روزِ اوّل

گلے میں خراش محسوس ہو یا چھینکیں آنا شروع ہوں تو سمجھ لیجیے کہ نزلہ زکام کی آمد آمد ہے۔ اسے معمولی بیماری سمجھ کر نظر انداز نہ کیجیے۔ فوری جوشینا لیجیے ورنہ زکام، کھانسی اور بخار جیسے تکلیف دہ امراض لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔

جوشینا۔ صدیوں سے استعمال ہونے والے جوشاندے کے نہایت مؤثر، کافی و شافی قدرتی اجزا کا خُلاصہ (ایکسٹریکٹ) ہے جو ہمدرد کے ماہرینِ فن نے سال ہا سال کے تجربات و تحقیق کے بعد جدید دور کے مصروف انسان کے لیے تیار کیا ہے تاکہ اسے جوشاندے کو ابالنے، چھاننے اور شکر ملانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ ایک پیکٹ جوشینا ایک کپ گرم پانی میں ڈالیے فوری استعمال کے لیے جوشاندے کی ایک خوراک تیار ہے۔

ہمدرد کی فنّی محنت اور دوا سازی کی صلاحیت کا مظہر

جوشاندے کی مکمل توانائی | جوشینا

نزلہ و زکام۔ جوشینا سے آرام

ہمدرد

جوشینا دو پیکنگوں میں دستیاب ہے
خوب صورت پلاسٹک مگ
میں اور گتّے کے کارٹن میں۔

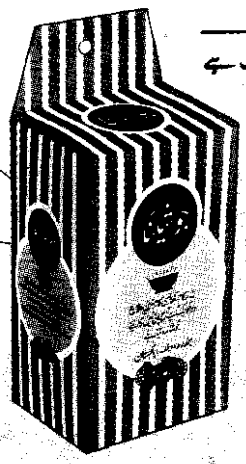

آدابِ اخلاق
عفو و درگذر
بہترین انتقام